موسم گل کی آہٹ

نگہت سیما

نگہت سیما

ناولٹ

آج ایک میوزک کنٹسٹ میں فریدہ نے اول انعام حاصل کیا ہے اور سارا ہار گئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں فریدہ کی اس شاندار کامیابی پہ خوش ہوں یا سارا کی ناکامی پر افسردہ ہو جاؤں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے فریدہ کی کامیابی کی خوشی سے زیادہ سارا کی ناکامی کا دکھ ہے' حالانکہ فریدہ اور سارا دونوں ہی میری بیٹیاں ہیں۔ شاید میں سارا کی ناکامی کی توقع نہیں کر رہی تھی بلکہ مجھے تو کچھ دیر پہلے تک معلوم بھی نہیں تھا کہ فریدہ بھی اس مقابلے میں حصہ لے رہی ہے فریدہ نے ذکر تک نہیں کیا حالانکہ سارا کتنے دنوں سے تیاری کر رہی تھی۔ مجھے ہی نہیں گھر کے ہر فرد کو پتا تھا کہ سارا موسیقی کے مقابلے میں حصہ لے رہی ہے' اس کی دادی کو' اس کے چاچو کو اور اس کی دونوں پھوپھیوں کو۔ کچھ دیر پہلے جب فریدہ اور سارا دونوں ٹی وی اسٹیشن جا رہی تھیں تو مجھے گمان تک نہیں تھا کہ فریدہ بھی مقابلے میں شرکت کے لیے جا رہی ہے۔ کیونکہ اس نے تو ایک بار بھی مجھے دعا کرنے کو نہیں کہا تھا۔

جب کہ سارا نے گیٹ سے باہر نکلتے نکلتے بھی مجھے یاد دلایا تھا کہ میں شام چھ بجے پروگرام دیکھنا نہ بھولوں میں نے تو اسی وقت ٹی وی لگا دیا تھا اور لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی تھی۔ بلکہ شام کے لیے سبزی بھی میں نے وہاں ہی بیٹھ کر کاٹی تھی اور چائے بھی وہاں ہی پی۔ مجھے ڈر تھا کہ کچن میں جا کر کام میں الجھوں اور بھول ہی نہ جاؤں یہاں تک کہ پروگرام گزر جائے۔

اور جب پروگرام شروع ہوا تھا تو میں سب کام چھوڑ کر ٹی وی کے آگے بیٹھ گئی تھی اور اگلی قطار میں بیٹھی ہوئی سارا پر جب بھی کیمرہ رکتا میں وہیں بیٹھے بیٹھے اس پر دم کرکے پھونک مار دیتی تھی اور میں نے محسوس کیا تھا کہ کیمرہ بہت بار سارا کے چہرے پر آکر رکا تھا۔ وہ لگ بھی تو بہت خوبصورت رہی تھی' بلکہ وہ ہے ہی خوبصورت۔ وہاں موجود ساری لڑکیوں کے مقابلے میں وہ سب سے الگ منفرد اور خوبصورت لگ رہی

تھی۔ تب ہی تو کیمرہ بار بار اسے نمایاں کر کے دکھا رہا تھا۔

میں تو اسے ہی دیکھ رہی تھی، جب اچانک ہی کمپیئر نے فریدہ زمان کا نام پکارا تھا اور فریدہ اپنی نشست سے اٹھ کر اسٹیج پر آئی تھی اور اس نے امیر خسرو کا کلام گانا شروع کیا تھا۔

میں حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی، یہ فریدہ ہے۔ نہیں بھلا یہ فریدہ کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ تو۔۔۔ اور فریدہ میری سوچوں سے بے خبر گا رہی تھی۔ اس کی آواز کے سحر نے تو جیسے مجھے بھی جکڑ لیا تھا۔

میں نے دیکھا تینوں ججوں کی آنکھوں میں ستائش تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ اور پھر بہت ساری تالیوں کی گونج میں وہ اپنی نشست کی طرف گئی۔ بہت اعتماد سے سر اٹھائے چلتی ہوئی، وہ اس فریدہ سے بالکل مختلف لگ رہی تھی جسے میں جانتی تھی۔

میں سحر زدہ سی بیٹھی تھی۔ اس کے بعد کتنی لڑکیاں آئیں مجھے معلوم نہیں، ہاں جب سارا آئی تو میرے ہونٹ ہلنے لگے اور میں سارا کی کامیابی کے لیے دعائیں مانگنے لگی۔ اس نے بھی خسرو کا ہی کلام منتخب کیا تھا لیکن اس کی آواز میں وہ سوز اور لوچ نہیں تھا جو فریدہ کی آواز میں تھا اور ججوں کے فیصلے کے مطابق اول انعام کی مستحق فریدہ زمان تھی۔

اور جب وہ مہمان خصوصی سے پانچ ہزار کا چیک لے رہی تھی تو اس کی آنکھوں میں اتنی چمک تھی کہ لگتا تھا وہاں سورج اتر آیا ہو، اپنی آب و تاب سمیت اور سانولے رخساروں پر سرخی تھی۔ جب ابھی کچھ دیر پہلے اس نے مجھے آ کر بتایا تھا۔

"مما میں جیت گئی۔"

تو یہ سرخی اسی طرح اس کے رخساروں پر بکھری تھی اور سورج کی سی آب و تاب لیے اس کی سیاہ لانبی آنکھیں جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔

اس کے پورے وجود میں سب سے قابل ذکر چیز یہی آنکھیں تھیں۔ سیاہ جگر جگر کرتی لانبی آنکھیں، بالکل زمان کی آنکھوں جیسی۔۔۔ اور یہ زمان کی آنکھیں ہی تو تھیں جنہوں نے مجھے اس کا اسیر کیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سحر سے خود کو نکال کر میں نے چاہا تھا کہ اسے مبارکباد دوں اور پیار کروں کہ میری نظر اس کے پیچھے کھڑی سارا پر پڑ گئی تھی۔ آنکھوں میں گلابی ڈورے اور انعام نہ جیتنے کے دکھ میں لرزتے ہونٹ، اور میں یکدم ہی اس کی طرف بڑھ گئی۔ سارا تو ہمیشہ فریدہ سے آگے ہوتی تھی۔ آج پیچھے کیوں ہے۔ میرے دل کو جیسے کچھ ہوا اور میں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا کر تسلی دی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! ہار جیت تو زندگی کا حصہ ہے۔"

"مگر مما! آپ نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔"

اسے شاید خود پر بہت زیادہ اعتماد تھا حالانکہ ججوں کا فیصلہ درست تھا۔ دوم اور سوم آنے والی لڑکیوں نے بھی یقیناً اس سے بہتر گایا تھا لیکن میں یہ بات اس سے نہ کہہ سکی اور فریدہ۔ اس کی آواز کا جادو تو جیسے ابھی بھی میرے وجود کو اپنے حصار میں لیے تھا۔ جب سارا کو تسلی دے کر میں مڑی تو فریدہ اوپر جا رہی تھی۔

میں نے دیکھا اس کے قدموں میں اعتماد تھا اور وہ سر اٹھائے ہوئے ایک کے بعد ایک سیڑھی پر یوں قدم رکھ رہی تھی جیسے ایک کے بعد دوسری فتح، دوسری کے بعد تیسری۔ ایک لمحہ کو میں نے سوچا بھی کہ اس کے پیچھے جاؤں اور اس کی کامیابی پر اسے مبارکباد دوں، بہرحال مجھے اس کی اس پہلی شاندار کامیابی پر خوشی تو ہے نا۔ اپنی اس بیس سالہ زندگی میں وہ پہلی بار کامیاب ہوئی ہے۔ میرا مطلب ہے اس طرح اتنی شاندار کامیابی اس نے پہلی بار حاصل کی ہے اور یہ میرے لیے بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن پھر میں نے سوچا شام کو جب وہ نیچے آئے گی تو اسے مبارکباد دے دوں گی۔ اس وقت سارا کو میری دلجوئی کی ضرورت ہے۔

فریدہ بچپن سے ہی سوکھی، کمزور اور مرگھلی سی تھی اور اس پر بیمار بھی بہت رہتی تھی۔ آئے دن اسے

الٹیاں ہوتی رہتیں اور بخار تو مہینے میں دو تین بار ضرور ہوتا تھا۔ گو بچپن سے ہی میں نے اسے سارے حفاظتی ٹیکے لگوا لیے تھے لیکن پھر بھی ہر وبائی بیماری پہلے اسی پر حملہ کرتی تھی۔ خسرہ' کاکڑہ' ہیضہ' ملیریا' ٹائیفائڈ سارے بیماریاں چھ سال کی عمر تک وہ بھگتا چکی تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ماں ہونے کے باوجود میں بھی کبھی کبھی اس سے بیزار ہو جاتی تھی۔ اس کی ہر وقت کی بیماری نے مجھے چڑچڑا کر دیا تھا۔ ایک تو غربت اس پر اس کی دوائیوں اور ڈاکٹر کا اضافی خرچ۔ کبھی کبھی تو میں اللہ تعالیٰ سے خوب گلہ کرتی' روتی کہ یارب العالمین آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی' جب میں اس کا خیال نہیں رکھ سکتی۔ کیوں بھیجا تو نے اسے دنیا میں۔

حالانکہ میں نے کتنا انتظار کیا تھا اس کا شادی کے تین سال بعد اس کی آمد کی خوشخبری سن کر زمان تو جیسے پاگل ہو گیا تھا اس نے خوشی سے مجھے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر گھما ڈالا تھا۔

"اب ہماری فیملی مکمل ہو جائے گی ثمین! اور اب تم بھی اتنی اداس نہیں رہا کرو گی۔ اور ہو سکتا ہے اس کا ننھا اور پیارا سا وجود تمہارے امی ابو کے دل کو بھی موم کر دے۔"

دراصل امی اور ابو مجھ سے خفا تھے بلکہ وہ تو مجھے دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے گھر کے دروازے مجھ پر بند کر رکھے تھے۔ وہ میری زمان کے ساتھ شادی کے مخالف تھے۔ جب کہ میں اور زمان ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے تھے۔ بے حد شدید اور زمان نے تو مجھ سے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

"ثمین! اگر تم مجھے نہ ملیں تو میں اپنی زندگی ختم کر لوں گا۔ جس روز تم کسی اور کی ہو میں اس روز تمہارے گھر کے دروازے پر میں اپنی جان دے دوں گا۔" اور میں جانتی تھی کہ وہ ایسے ہی کرے گا۔

لیکن امی اور ابو کا خیال تھا کہ وہ تنہا ہے' اس کے ماں باپ' بہن بھائی اور کوئی قریبی عزیز نہیں ہے۔ کل کو خدانخواستہ تمہیں کوئی مشکل پڑ گئی تو سر پر کوئی ہاتھ رکھنے والا بھی نہیں ہو گا۔ یہ کوئی ایسی ٹھوس دلیل نہ تھی جس پر زمان کو ریجیکٹ کیا جاتا۔ وہ اسمارٹ تھا پڑھا لکھا تھا اور جاب کرتا تھا' اس کی اچھی پرکشش تنخواہ تھی۔ کمپنی کی طرف سے اسے گھر ملا ہوا تھا۔ گاڑی تھی اور والدین تو بیٹیوں کے لیے ایسے تنہا لڑکوں کو پسند کرتے ہیں کہ نہ ساس کا جھگڑا' نہ نندوں کا خوف لیکن میرے ماں باپ کی منطق نرالی تھی۔

مگر میں تو زمان کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی صرف زمان ہی نہیں مجھے بھی لگتا تھا کہ اگر زمان نہ ملا تو میں مر جاؤں گی۔ تب ہم نے نکاح کر لیا اور میں نے گھر آ کر امی سے کہا۔

"امی! ہم نے نکاح کر لیا ہے۔ آپ چاہیں تو باعزت طریقے سے مجھے رخصت کر دیں' نہیں تو زمان کو میں فون کر دیتی ہوں وہ مجھے آ کر لے جائے گا۔"

میرے والدین کو اپنی عزت بہر حال عزیز تھی۔ میری رخصتی ہو گئی لیکن میرے گھر کے دروازے میرے لیے بند ہو گئے۔ امی نے مجھ سے کہا۔ کہ آج کے بعد ہم تمہارے لیے اور تم ہمارے لیے مر گئی ہو۔

شاید والدین کے دل میں اولاد کے لیے ایک چھٹی حس بھی ہوتی ہے جو انہیں ان کے لیے خبردار کرتی ہے۔ یہ میں نے بہت بعد میں سوچا تھا' مجھے والدین سے' بہن بھائیوں سے بچھڑنے کا دکھ تو تھا لیکن زمان نے مجھے بہت محبت دی۔ وہ خود محبتوں کا ترسا ہوا تھا' بچپن میں ہی والدین وفات پا گئے تھے اور ادھر ادھر رل کر پلا تھا سو میرے ذرا سے التفات ہی سے سرشار ہو جاتا۔ میں اس کے کپڑے استری کرتی' پسند کا کھانا بناتی' اس کے سر میں کبھی درد ہوتا تو دبا دیتی تو وہ بے حد ممنون ہوتا تھا۔

شادی کے تین سال ہوا کے جھونکے کی طرح گزر گئے۔ پھر فریدہ کی آمد کی خوشی۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے زمان ایک ایک لمحہ' ایک ایک پل گن گن کر گزار رہا ہو۔ اس نے سینکڑوں نام سوچ ڈالے تھے اور نئے بے بی کے لیے کتنا ہی سامان خرید ڈالا تھا۔ وہ ہر روز کچھ نہ کچھ اٹھائے چلا آتا۔

"یہ کیا ہے زمان۔۔۔! زیرو سائز کے پہلے ہی درجنوں

فراک پڑے ہیں یہ دو ماہ بعد اسے نہیں آئیں گے۔

"یار نہ میری ماں ہے نہ تمہاری امی ہیں، حالانکہ پہلی بار یہ تیاریاں تو دادیاں نانیاں کرتی ہیں لیکن ہمیں تو خود ہی کرنا ہے سب۔" اس کی آنکھوں میں حسرت سی ہوتی۔

کاش میرے امی ابو اسے اپنا بیٹا سمجھتے۔

"لیکن خیر ثمین! ہم جب دادا دادی اور نانا نانی بنیں گے تو ہم اپنے نواسے نواسیوں اور پوتے پوتیوں کے لیے خود خریداری کریں گے۔"

وہ جو پوتے پوتیوں نواسے نواسیوں تک کے لیے خریداری کرنا چاہتا تھا، اپنے ہونے والے بچے کو دیکھ بھی نہ سکا۔ ایک روز آفس سے نکل کر سڑک کراس کر کے پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے ایک تیز رفتار ٹرک اسے کچلتا ہوا گزر گیا۔ کتنے ہی روز تک میں اپنے آپ سے بھی بیگانہ رہی۔ میرے آنسو پونچھنے والا، مجھے گلے سے لگا کر رونے والا کوئی نہ تھا۔ شادی کے فوراً بعد ہی زمان نے اپنا ٹرانسفر کروا لیا تھا تاکہ ایک ہی شہر میں رہ کر اپنے والدین سے نہ مل سکنے کے دکھ سے میں بچ سکوں۔ کئی بار میں نے سوچا کہ امی کو فون کر دوں، انہیں بتاؤں کہ آپ کی ثمین بیوہ ہو گئی ہے لیکن میری انا آڑے آ گئی۔ ایک بار میں نے فون کر کے معافی مانگنا چاہی بھی تو۔۔۔

امی نے کہا تھا "خبردار ثمین! آئندہ فون بھی مت کرنا۔"

ایک ماہ بعد مجھے گھر خالی کرنا تھا پھر میں کہاں جاؤں گی، یہ سوچ سوچ کر میں پاگل ہو رہی تھی۔ زمان کے ایک دوست نے کافی مدد کی تھی، واجبات وغیرہ وصول کرنے میں۔ زمان کو جاب کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، تقریباً "ساڑھے چار سال۔۔۔ سو اس کے واجبات کچھ اتنے زیادہ نہ تھے پھر بھی جو ملا میں نے سوچا تھا کم از کم ڈلیوری تک کا وقت سکون سے گزار کر باقی ماندہ انویسٹ کروں گی اور پھر خود کوئی جاب کر لوں گی اور بچے کے لیے کوئی جز وقتی "زمہ" رکھ لوں گی۔ گو میں نے سمپل بی اے کر رکھا تھا۔

پھر بھی سوچا تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی جاب تو مل ہی جائے گی۔ کسی پرائیویٹ اسکول میں ہی سہی۔

لیکن ہوا یوں کہ ایک روز میں چیک اپ کروانے گئی واپس آئی تو تالا ٹوٹا ہوا تھا اور چور سب کچھ لے گئے تھے۔ میرے پرس میں جو چند سو روپے تھے بس وہی بچے تھے۔ رات ہی میں نے ساری پیکنگ کی تھی تاکہ صبح گھر خالی کر سکوں، اب سب سامان بکھرا پڑا تھا۔

ایسے میں پھر میں نے زمان کے دوست کو بلوایا۔ اس بھلے آدمی نے میرے لیے ایک چھوٹا سا گھر دیکھ لیا تھا۔ وہاں سامان پہنچایا، رپورٹ لکھوائی، ایک ماہ کا ایڈوانس کرایہ اپنے پاس سے دیا۔ اور میری درخواست پر بچا کھچا سامان فروخت کرنے میں میری مدد کی۔ فریج کچھ برتن وغیرہ ٹی وی اور ڈیک تو وہ اٹھا کر لے گئے تھے۔ بہرحال مجھے ڈلیوری تک تو گزارا کرنا ہی تھا۔

میرے ہاتھ میں صرف تیرہ ہزار روپے تھے اور ابھی ڈلیوری میں تین ماہ تھے میں نے اپنی خوراک بہت کم کر دی تھی۔ میں زیادہ تر روتی رہتی تھی۔ مجھے زمان یاد آتا تھا۔ اس نے مختلف طرح کے جوسز اور پھلوں سے فریج بھر رکھا تھا اور اب میں ایک پاؤ دودھ لیتی تھی جس سے دو کپ چائے بنا لیتی اور زمان زبردستی مجھے صبح و شام گلاس بھر کر دودھ دیتا۔

"ثمو پلیز! یہ پی لو ہمارا بے بی صحت مند ہونا چاہیے۔" اور اب کاش میرا زیور ہی بچ جاتا تو۔۔۔ یہ بہت کڑا اور مشکل وقت تھا جو میں نے گزارا ایک ہاسپٹل کے عام سے وارڈ میں میں نے فریدہ کو جنم دیا۔ وہ بہت کمزور تھی۔ صرف ساڑھے چار پونڈ وزن تھا اس کا، سانولا رنگ اور چہرے پر صرف آنکھیں ہی آنکھیں دکھتی تھیں۔ وہ پوری کی پوری زمان پر گئی تھی شاید میں نے ان سارے بیتے دنوں میں زمان کو بہت سوچا تھا۔ آنکھیں، پیشانی، ناک سب زمان کی طرح میں سارا دن روتی رہی تھی جس سے مجھے بخار ہو گیا تھا۔ نئے محلے دار ہمدرد تھے، ایک عورت میرے لیے گھر سے یخنی بنا کر لائی تھی، شام کو زمان کے دوست

ارشاد آئے تو میں نے اس سے صوفہ اور بیڈ بیچنے کو کہا۔

میرے پاس اگلے ماہ کے کرائے کے پیسے نہ بچے تھے۔ جس روز میں فریدہ کو لے کر گھر آئی' اسی روز ارشاد بھائی صوفہ اور بیڈ اٹھوا کر لے گئے۔ شام کو جب وہ رقم دینے آئے تو میں بخار میں تپ رہی تھی وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ میں نے کچھ دوا لی ہے یا کھایا پیا ہے کہ زور سے دروازہ کھلا اور ان کی بیوی دھاڑتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

اس نے مجھ پر بہت الزام لگائے' بہت چیخی چلائی۔

ارشاد بھائی شرمندہ شرمندہ سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن بے سود.... تب ارشاد بھائی اسے لے کر چلے گئے۔ صبح آفس جانے سے پہلے وہ پھر آئے' ان کے ہاتھ میں کچھ دوائیاں تھیں لیکن میں نے انہیں دروازے سے ہی لوٹا دیا۔

"آپ کا یہاں آنا مناسب نہیں' ہے' میں نہیں چاہتی کہ وہ الزام جو آج بھابی نے لگایا ہے کل محلے والے لگائیں اور میری وجہ سے آپ کا گھر برباد ہو۔"

ان کے جانے کے بعد میں دروازہ بند کر کے خوب چیخ چیخ کر روئی۔

ارشاد بھائی کا کتنا آسرا تھا مجھے۔ وہ تھے بھی بہت نیک دل اور ہمدرد۔ میں نے زندگی کیسے گزاری دو سال تک یہ ایک طویل کہانی ہے۔ لیکن فریدہ جب دو ماہ کی ہوئی تو میں نے ہر وہ چیز فروخت کر ڈالی جو کوئی خرید سکتا تھا حتی کہ فریدہ کے کھلونے بھی۔

تب دو ماہ بعد میں فریدہ کو پڑوسن کے گھر چھوڑ کر جاب کی تلاش میں نکلی لیکن جاب ملنا کوئی اتنا آسان نہ تھا۔ ایک ہفتے کی خواری کے بعد ایک پرائیویٹ اسکول میں تین سو روپے کی جاب کو بھی میں نے عارضی طور پر غنیمت جانا کہ چلو اور کچھ نہیں تو فریدہ کی ضرورت کی چیزیں ہی خرید لوں گی۔ پڑوسن اچھی تھی وہ فریدہ کو چھٹی کے وقت تک رکھنے پر تیار ہو گئی تھی۔

لیکن تین سو روپے میں مکان کا ایک ہزار روپیہ کرایہ میں کہاں سے ادا کرتی' نتیجہ یہ نکلا کہ دو ماہ کا کرایہ میں ادا نہ کر سکی اور مالک مکان نے گھر خالی کرنے کو

کہہ دیا۔ اسکول کی مائی سے میں نے کسی سستے مکان کی بات کی تو میری ساری بات سن کر اس نے کہا ’اکیلی جان ہوں‘ ایک کوٹھری کا سو روپیہ کرایہ دیتی ہوں۔ تم بھی آجاؤ پچاس تم دے دینا ایک طرف پڑی رہنا۔“

مجھے ماسی کی آفر بہت غنیمت لگی۔ یہ ایک چھوٹا سا گھر تھا جس کے اوپر والے حصے پر ایک چنے بیچنے والا اس کی بیوی اور بچے رہتے تھے۔ نیچے ایک کمرہ میں ماسی رہتی تھی‘ دوسرے کمرے میں ایک بیوہ عورت دو بچوں کے ساتھ رہتی تھی اور سلائی کرتی تھی۔ ادھیڑ عمر عورت تھی‘ مزاج کی اچھی تھی‘ فریدہ کو رکھنے پر تیار ہوگئی تھی۔ بدلے میں میں آکر شام کو اس کا ہاتھ بٹا دیتی بٹن ٹانک دیتی ترپائی کر دیتی۔ برتن دھو دیے۔ بچوں کے کپڑے دھو دیے۔

فریدہ بہت صابر بچی تھی‘ خاموشی سے پڑی رہتی تھی‘ شدید تکلیف میں بھی روتی نہیں تھی‘ ارد گرد سب نچلے طبقے کے لوگ تھے‘ گھر کے سامنے ایک پان والے کی دکان تھی جو آتے جاتے فقرے کستا۔ ماسی سے مذاق کرتا۔

”اماں! یہ لعل کہاں سے اڑا لائی ہے۔“ ماسی غصے سے لال پیلی ہو جاتی۔

”ارے کمبخت بھانجی ہے میری‘ بیوہ ہوگئی ہے۔ ماں باپ نہیں سو اپنے پاس لے آئی ہوں‘ میلی نظر نہ ڈالنا۔“

”لو اماں! یہ تو صاف نظر سے بھی میلی ہو جانے والی ہے۔“

میں کمرے میں بیٹھی یہ مکالمے سنتی رہتی تھی‘ سامنے گلی میں ہی تو اس کی دکان تھی۔

میں چوبیس گھنٹوں میں ایک وقت روٹی کھاتی تھی۔ وہ بھی کبھی چائے سے کبھی دہی اور کبھی اچار سے۔ مجھے کبھی کبھی امی اور ابا کی بات بے حد یاد آتی۔ واقعی میرے سر پر کوئی ہاتھ رکھنے والا بھی نہیں تھا۔ ساس‘ سسر نہ کوئی نند یا دیور ہوتے تو میرے لیے نہ سہی بھائی کی اولاد کی خاطر ہی کسی کونے میں پڑا رہنے دیتے۔ میں جو عذاب سہہ رہی تھی وہ ماں باپ کی نافرمانی کی سزا تھی‘ کاش میں نے ان کا دل نہ دکھایا ہوتا‘ نافرمانی نہ کی ہوتی۔ میں دن میں دسیوں بار ان سے اور اللہ سے دل ہی دل میں معافی مانگتی۔

اتنی کنجوسی کے باوجود تین سو روپے چند ہی دن میں ختم ہو جاتے اس پر فریدہ کی آئے دن کی بیماری۔ میں کئی کئی دن اسے نظر انداز کیے رہتی اور جب وہ تکلیف کی شدت سے بے حال ہونے لگتی تب جا کر دوا لاتی اور وہ بھی کبھی ماسی زبردستی ہاتھ میں کچھ نوٹ تھما دیتی اور کبھی آپا... میں اس بیوہ عورت کو آپا کہہ کر بلاتی تھی۔ تین ماہ بعد میری تنخواہ پانچ سو ہوگئی تھی مجھے کچھ بنائی کڑھائی کا کام بھی ملنے لگا تھا لیکن ساری رقم فریدہ کی دواؤں پر اٹھ جاتی تھی۔ بھوکا رہ رہ کر میری ہمت جواب دے رہی تھی۔ گلابی رنگت سیاہ ہوگئی تھی‘ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔

فریدہ بھی بھوکی رہتی تھی۔ اب اس کے دودھ کا بھی مسئلہ ہو گیا تھا‘ ڈیڑھ سالہ فریدہ کو میں پانی میں روٹی بھگو کر کھلاتی تو آنسو میرے حلق میں گرتے رہتے۔ زمان ہوتا تو کیا فریدہ...

فریدہ پھر بیمار تھی اور مجھے تیز بخار تھا‘ تب ماسی نے مجھ سے کہا۔

”بیٹی! اس شکورے نے تیرا رشتہ ڈالا ہے۔ پہلی بیوی مر چکی ہے‘ چار بچے ہیں۔ فالودے کی ریڑھی لگاتا ہے اچھا کما لیتا ہے۔ تجھے اور تیری بیٹی کو بھوکا نہیں مارے گا۔ پھر سر پر چھت ہوگی اپنا مرد ہوگا تو یہ گلی کے چھوکرے بھی تیرا پیچھا چھوڑ دیں گے۔ یہ پان والا موا تو اگر میں نہ ہوں تو تجھے کچا ہی چبا جائے۔ اور میں بوڑھی جان میرا کیا بھروسہ...“ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میں نے فریدہ کو دیکھا۔ سوکھی سڑی کمزور سی۔ چہرے پر صرف آنکھیں ہی آنکھیں۔ میری آنکھوں کے سامنے ایتھوپیا کے قحط زدہ بچے آگئے پھر اپنے دونوں بھائیوں کے بچے‘ بڑے سے لان میں سائیکلیں دوڑاتے۔ صحت مند اور خوش باش۔

اور میری ہمت جواب دے گئی۔

میں نے فریدہ کو اٹھایا۔ اماں کی پیسوں والی ڈبیا سے سو کا نوٹ کرائے کے لیے لیا تاکہ گھر تک جانے کے لیے کرایہ ادا کرسکوں اور اپنے ماں باپ کے گھر جانے والی ویگن پر بیٹھ گئی۔ سفر کیسے کٹا مجھے پتا نہیں۔ کئی بار مجھے گمان گزرا کہ میری گود میں لیٹی فریدہ ہمیشہ کے لیے سو گئی ہے۔ پتا نہیں کیسے میں گھر تک پہنچی' پانچ سال بعد میں نے اپنے گھر میں قدم رکھا تھا۔

"امی....!" میں ان کے قدموں میں گر گئی۔ "امی! مجھے اور میری بیٹی کو پناہ دے دیں۔ مجھے نوکرانی بنا کر ہی سہی اس گھر کے ایک کونے میں جگہ دے دیں۔"

میری انا ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگئی تھی۔ میں بلک رہی تھی' امی حیران کھڑی تھیں۔ اور پھر میں امی کے پاؤں پر ہاتھ رکھے رکھے بے ہوش ہوگئی۔

جانے کتنی دیر بعد مجھے ہوش آیا' امی ابو اور چھوٹا بھائی میرے سرہانے کھڑے تھے۔ میں نے رو رو کر اپنی بربادی کی داستان سنائی۔ امی ابو خاموش رہے' ہاں بھائی نے صرف اتنا کہا۔

"ثمو! تمہیں زمان کے مرنے کی اطلاع تو دینا چاہیے تھی۔" میں صرف امی کو دیکھ کر رہ گئی۔

میرے دونوں بھائیوں کی شادیاں تو میری شادی سے پہلے ہی ہوچکی تھیں۔ چھوٹی بہن کی شادی ایک سال قبل ہوئی تھی اور وہ امریکہ میں تھی۔ بڑے بھائی نے اپنا الگ گھر بنا لیا تھا اور یہاں اس گھر میں امی ابو چھوٹا بھائی اور اس کے بیوی بچے رہتے تھے۔ امی ابو نے مجھے معاف کردیا تھا' بھابھی اچھی تھیں انہوں نے میرے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ میں نے نوکری کرنا چاہی تو انہوں نے منع کردیا۔

"کیا ضرورت ہے ثمین! بہتر ہے کہ تم اپنی تعلیم مکمل کرلو' بلکہ بی ایڈ کرلو۔"

بھابی کا مشورہ اچھا تھا لیکن ابھی تو بی ایڈ کے ایڈمیشن دس ماہ بعد کھلنے تھے۔ یہاں فریدہ کا بھی خیال رکھا جاتا تھا لیکن فریدہ کو کچھ ہضم نہ ہوتا تھا۔ دودھ پیتی تو قے کردیتی تھی اور خود دو سالوں بعد میں نے اپنے کھانے اچھا کھانا کھایا تھا۔ میں تو ہر شے کی لذت بھول گئی تھی۔

چھ ماہ میں میری صحت بحال ہوگئی تھی۔ رنگت پہلے جیسے ہوگئی تھی لیکن فریدہ ویسی ہی تھی' مرگھلی اور سوکھی سی۔ وہ دودھ نہیں پیتی تھی' ہاں روٹی دودھ یا چائے میں بھگو کر رغبت سے کھاتی۔ بھائی ڈانٹتے۔

"ثمو! یہ کیا چھوٹی سی بچی کو روٹی کھلاتی رہتی ہو۔ دودھ اور سیریلیکس وغیرہ دیا کرو۔"

مگر وہ نہ دودھ پیتی نہ کچھ اور کھاتی۔ چھ ماہ بعد فریدہ دو سال کی ہوئی تو ماہین آگئی امریکہ سے' اس کا دیور بھی اس کے ساتھ تھا۔

احمد نصیر نے امریکہ میں کسی امریکن لڑکی سے شادی کرلی تھی۔ چار سال بعد ڈائیورس ہوگئی۔ بچے نہیں تھے۔ احمد نے مجھ سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی اور جاتے ہوئے ماہین سے کہہ گیا تھا کہ وہ جلد ہی والدین کو لے کر آئے گا۔ ماہین کو یہاں چھوڑ کر اسے والدین کے پاس جانا تھا' ماہین شادی کے بعد پہلی بار پاکستان آئی تھی۔ اس لیے اسے کچھ دن یہاں ٹھہر کر سسرال جانا تھا۔

اماں کی بات مجھے یاد تھی کہ مرد کے بغیر عورت کچھ بھی نہیں ہوتی گلی کے روڑوں سے بھی زیادہ کمزور اور بے حقیقت۔ سو جب امی اور ماہین نے مجھ سے احمد کے لیے کہا تو میں نے سر جھکا دیا لیکن فریدہ.... مجھے اس کا خیال آیا۔

"احمد کو فریدہ پر کوئی اعتراض نہیں' امریکہ میں رہنے کی وجہ سے وہ بہت لبرل ہے۔"

اور یوں میں احمد کی زندگی میں آگئی۔ احمد واقعی ایک عظیم انسان تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے مجھے امریکہ بلوا لیا۔ فریدہ کو اماں نے رکھ لیا تھا۔ شادی کے سال بعد سارا پیدا ہوئی۔ سارا کی پیدائش پر ہی احمد نے پلان بنا لیا تھا کہ وہ اب پاکستان سیٹل ہوجائے گا' اس نے اپنی زندگی کے پندرہ برس یہاں گزارے تھے اور وہ یہاں کی تہذیب سے سخت برگشتہ تھا۔

"میں چاہتا ہوں ثمین! ہماری بیٹی پاکستان کی فضاؤں میں پلے اس کے اندر حرام نہیں حلال رزق

جائے۔" لیکن پھر بھی پاکستان آتے آتے ہمیں تین سال لگ گئے تھے۔ سارا بہت پیاری تھی۔ بقول احمد کے میری کاپی۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت تھی، سارا تین سال کی تھی جب میں پاکستان لوٹی اور فریدہ چھ سال کی ہو چکی تھی۔ سارا بہت صحت مند تھی جب کہ فریدہ ویسی ہی تھی کمزور سوکھی سڑی۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ فریدہ ابھی تک اسکول میں داخل نہیں ہوئی تھی اماں نے بتایا کہ پچھلے سال اسے اسکول میں داخل کروایا تھا لیکن پہلے اسے ملیریا ہوا پھر ٹائیفائیڈ جو بگڑ گیا اور یوں اسکول سے اس کا نام کٹ گیا۔ فریدہ کے لیے میرا دل بہت دکھا۔ وہ میری بیٹی تھی اور پھر اس شخص کی جس سے میں نے محبت کی تھی میری محبت کی نشانی۔

اب میں پاکستان میں تھی سو احمد کی اجازت سے اسے گھر لے آئی اور سارا اور فریدہ کو ایک ساتھ اسکول میں داخل کروایا۔ سارا کو نرسری میں اور فریدہ کو اس کی عمر کی وجہ سے پریپ میں۔ یوں عمروں میں تین سال کا فرق تھا۔ میں نے پرنسپل سے کہا تھا کہ میں فریدہ کو نرسری کا کورس گھر پر ہی کروالوں گی۔ دیکھنے میں بھی وہ سارا سے بڑی نہیں لگتی تھی۔ بلکہ دونوں ہم عمر ہی لگتی تھیں۔ بس فریدہ کا قد تھوڑا سارا سے بڑا تھا۔ دلوں کا حال تو اللہ بہتر جانتا ہے لیکن بظاہر احمد نے سارا اور فریدہ میں کوئی فرق نہیں کیا تھا۔ سارا کی دیکھا دیکھی فریدہ بھی اسے پاپا کہہ کر بلانے لگی تھی اور احمد نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

یوں میں ایک پرسکون زندگی گزارنے لگی تھی۔ فریدہ، سارا، احمد اور پھر ننھا بلال ہم ایک مکمل فیملی تھے۔

شاید میری سزا ختم ہو گئی تھی، مجھے میرے اللہ نے معاف کر دیا تھا میں اس کا شکر بجا لاتے نہ تھکتی تھی۔

فریدہ بہت گم صم اور خاموش سی بچی تھی۔ جب کہ سارا بہت تیز اور ہوشیار تھی۔ اپنی ذہانت اور لیاقت کی بنا پر وہ سب کو بہت عزیز تھی۔ ننھیال ددھیال دونوں میں ہی اس کی بہت اہمیت تھی۔ گو فریدہ بھی پڑھائی میں اچھی تھی لیکن اپنی کم گوئی کی وجہ سے وہ اپنے کزنز وغیرہ سے بے تکلف نہ ہو پاتی تھی۔ بلکہ وہ تو مجھ سے بھی زیادہ بے تکلف نہ تھی اور میری نسبت احمد سے زیادہ بے تکلفی سے بات کرتی تھی۔

جب وہ آٹھویں کلاس میں آئی تو سیڑھیوں سے گر جانے کی وجہ سے اس کی ٹانگ میں فریکچر ہو گیا۔ تین ماہ تک پلاسٹر چڑھا رہا اور یوں وہ فائنل امتحان نہ دے سکی۔ سارا اور وہ اب ایک ہی کلاس میں آ گئی تھیں اور جب دونوں نے میٹرک کیا تو دونوں ہم عمر ہی لگتی تھیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ فریدہ سارا سے تین سال بڑی ہے۔ سارا کو فریدہ سے بہت محبت تھی۔ میں نے کئی باتوں سے اندازہ لگایا تھا اور یہ چیز مجھے بہت خوشی دیتی تھی۔

میٹرک میں سارا نے اپنے اسکول میں پوزیشن لی تھی جب کہ فریدہ نے بھی بہت اچھے نمبر لیے تھے، اے گریڈ ہی تھا گو پوزیشن نہ تھی۔ کالج میں آ کر بھی دونوں کا تعلیمی ریکارڈ تقریباً" ایسا ہی رہا البتہ سارا دوسری ایکٹیویٹیز میں بھی باقاعدگی سے حصہ لیتی تھی۔ مباحثہ ہو یا مشاعرہ، کھیل ہو یا کوئی بھی میدان ہر ایک میں اول آنا گویا اس کے لیے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔ یہی نہیں وہ اپنے کالج میگزین کی ایڈیٹر بھی تھی۔ گویا وہ کالج کی روح رواں تھی میں اور احمد اس کی ان کامیابیوں پر بہت خوشی اور فخر محسوس کرتے تھے۔ جب کہ فریدہ کسی بھی چیز میں حصہ نہیں لیتی تھی۔ ایک دو بار احمد نے اس سے کہا بھی۔

"بیٹا! آپ بھی ہر چیز میں حصہ لیا کریں۔" تو اس نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔ اسی لیے تو مجھے اس کی اس کامیابی پر خوشی سے زیادہ حیرت ہوئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ابھی تک کہ میں فریدہ کی کامیابی پر زیادہ خوش ہوں یا مجھے سارا کی ناکامی کا زیادہ دکھ ہے۔ سارا نے کتنی محنت کی تھی، سارا سارا دن فریدہ کے کمرے میں گھسی پریکٹس کرتی رہتی تھی۔ میٹرک تک تو فریدہ اور سارا ایک ہی کمرے میں رہتی تھیں، لیکن جب وہ

کالج میں آئی تو احمد نے کہا۔
"اب ان کے لیے الگ بیڈ روم ہونے چاہئیں جہاں وہ اپنی مرضی سے اپنی اپنی پڑھائی کے اوقات رکھیں اور اپنی اپنی دلچسپیوں اور ذوق کے مطابق انہیں ڈیکوریٹ کریں۔ سو اب تینوں کے بیڈ روم الگ الگ تھے گو فرسٹ فلور پر ساتھ ساتھ ہی تھے۔

فریدہ اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی اور سارا ابھی تک ٹی وی لاؤنج میں اداس سی بیٹھی تھی اور اس کی اداسی مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی تھی میری کھلکھلاتی مینا چپ ہے۔ ورنہ وہ تو ہر وقت ہنستی مسکراتی، شرارتیں شوخیاں کرتی رہتی تھی۔ میری دلجوئی نے بھی اس کے چہرے کی اداسی نہیں دھوئی۔ مجھے اسے اور پیار کرنا چاہیے اور اسے سمجھانا چاہیے کہ وہ اس ناکامی کو دل سے نہ لگائے۔ میں ابھی ایک لمحے کے لیے مجھے خیال آیا کہ میں نے فریدہ کو مبارکباد نہیں دی اور [اس کی] خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ وہ یہ محسوس ہی نہ کرے کہ مجھے اس کی کامیابی سے خوشی نہیں ہوئی، پہلے مجھے اوپر جا[کر] اسے [پھر] ساری مبارکباد دینا چاہیے۔

لیکن پھر اوپر جاتے جاتے میں سارا کی طرف پلٹ آئی اور اس کا سر سینے سے لگا لیا اور خود بھی رونے لگی۔ نہیں کہ مجھے فریدہ کی کامیابی کی خوشی نہیں تھی لیکن مجھے سارا کی ناکامی کا زیادہ دکھ تھا۔ ہاں شاید ایسا ہی تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

اور میں فریدہ زمان ہوں، میں نے گیتوں کے ایک مقابلے میں اول انعام حاصل کیا ہے۔ لیکن مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں نے اتنی شاندار کامیابی حاصل کی ہے۔ حالانکہ آج آٹھ دنوں سے کالج میں میری فرینڈز، میری ٹیچرز سب ہی وقتاً فوقتاً میری کامیابی کا ذکر کر رہی ہیں، سب نے ہی مجھے مبارکباد دی ہے۔ ایک بار نہیں کئی بار اور اپنی خوشی کا اظہار کیا ہے۔

میں ابھی تک حیرت میں ہوں کہ میں جو اتنی شائی کی تھی، کیسے میں نے اتنی ہمت کرلی اور کیسے اتنے لوگوں کا سامنا کرلیا میں تو ہمیشہ سارا کے پیچھے ہی چھپی رہی، آگے آنے کی کبھی جرات نہیں کی۔

دراصل میں فریدہ زمان بہت سے کمپلیکسز کا شکار ہوں مجھے بہت سارے کمپلیکس ہیں۔

اپنی سانولی رنگت کا
اپنی کم صورتی کا
اپنی یتیمی کا
اپنے ہمیشہ بیمار رہنے کا۔

پتا نہیں مجھے اتنے بہت سارے کمپلیکسز کیوں تھے حالانکہ جب میں نے ہوش سنبھالا تو میں اپنی نانی کے پاس تھی اور وہاں سب ہی میرا خیال رکھتے تھے۔ نانی، ماموں، ممانی سب ہی، ماموں کے بچوں نے مجھے کبھی حقیر نہیں جانا اور وہ مجھے ہمیشہ اپنے ہر کھیل میں شامل کرتے تھے۔ میری زندگی کے پہلے دو سال کتنی غربت اور کسمپرسی میں گزرے مجھے معلوم نہیں۔ یہ تو ماما نے اب ایک روز مجھے بتایا تھا کہ ڈیڈی کی وفات کے بعد انہوں نے کتنی مشکل زندگی گزاری تھی۔ شاید میرے لاشعور میں کچھ ایسا تھا، تب ہی میں کچھ چڑچڑی سی ہو گئی تھی۔ لیکن میری نانو نے میرے چڑچڑے پن سے بیزار ہو کر کبھی مجھے جھڑکا یا ڈانٹا نہیں تھا۔

شاید ان پر میری پیدائش سے لے کر ڈیڑھ سال کی عمر تک اٹھانے والی مما کی تکالیف کا بہت اثر تھا کہ وہ مجھے کچھ بھی نہیں کہتی تھیں۔ حالانکہ میں بچپن میں بہت بیمار رہتی تھی پھر بھی وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے میرے کام کرتی رہتی تھیں۔ چھ سال کی عمر میں مما مجھے اپنے ساتھ گھر لے آئیں لیکن میں مما سے کبھی اتنی بے تکلف نہ ہو سکی جتنی نانو سے تھی۔

ہاں سارا سے میری بچپن میں ہی دوستی ہو گئی تھی۔ سارا بہت پیاری اور صحت مند تھی۔ پھر اس میں بلا کا اعتماد تھا۔ وہ ہر ایک کے ساتھ فوراً" بے تکلف ہو جاتی تھی جب کہ مجھ میں یہ بات بالکل نہیں تھی مجھے سارا ہمیشہ اپنے سے بہت بلند لگی اور اس کے مقابلے میں ہمیشہ مجھے احساس کمتری رہا، جب بھی وہ کسی سے کہتی۔
"یہ فریدہ ہے میری بہن، بڑی بہن"۔ اور مخاطب

بے یقینی سے کہتا۔

"یقین نہیں آرہا۔ کمال ہے یہ تمہاری بہن ہے۔" تو میں اور زیادہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتی۔ اس لیے میں نے خود سے کبھی کسی کو نہیں بتایا تھا کہ میں اور سارا بہنیں ہیں۔ اپنی بیماری کی وجہ سے میں پڑھائی میں پیچھے رہ گئی تھی۔ عمر میں اس سے تین سال بڑا ہونے کے باوجود میں اور وہ ایک ہی کلاس میں تھے۔ پہلی بار ہم آٹھویں کلاس میں اکٹھے ہوئے تھے' لڑکیاں ہمیں ایک دوسرے کا عزیز تو سمجھتی تھیں لیکن انہوں نے سارا کو کبھی میری بہن نہیں سمجھا تھا۔ جب تک سارا نے خود نہیں بتایا تھا۔ یوں بھی ہم دونوں کے ناموں کے ساتھ ہمارے باپوں کے نام الگ الگ تھے میں

فریدہ زمان تھی۔

زمان قریشی کی بیٹی

اور وہ سارا احمد تھی

احمد نصیر ملک کی بیٹی

سو ایک طویل عرصہ تک تو ہماری کلاس ٹیچر کو بھی معلوم نہ ہو سکا تھا کہ ہم بہنیں ہیں۔ میں کسی کو نہیں بتاتی تھی کہ میں سارا کی بہن ہوں لیکن سارا کو کسی قسم کا کمپلیکس نہ تھا' وہ بڑے فخر سے بتایا کرتی تھی۔

"یہ فریدہ ہے میری بڑی بہن"

اور جواب میں "اوہ نو۔۔۔ آئی کانٹ بلیو اٹ سارا۔۔۔! یہ تمہاری بہن ہے۔" جیسے جملے شاید اسے مطمئن اور خوش کرتے ہوں لیکن میں تو اپنے اندر ہی سمٹ جاتی تھی۔ مجھے کسی سے بھی بات کرنا مشکل لگتا تھا۔ خواہ وہ میرے ماموں زاد بہن بھائی ہی کیوں نہ ہوں' جب کہ سارا ان کے ساتھ لڑتی جھگڑتی' ہنسی مذاق کرتی اور خوب باتیں کرتی تھی۔ مجھے تو پاپا سے بھی بات کرتے گھبراہٹ ہوتی تھی۔ حالانکہ پاپا بہت شفیق اور مہربان تھے' شاید مما سے بھی زیادہ۔ ہاں بس ایک سارا تھی جس سے میں اپنی ساری باتیں شیئر کرتی تھی مجھے سارا سے کبھی حسد نہیں محسوس ہوا۔ میں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ میں بھی سارا جیسی ہوتی خوبصورت اور ہردلعزیز۔

اور سارا بھی مجھ سے ہر بات کرتی تھی۔ اپنی ہر خواہش اور تمنا مجھ سے ضرور ڈسکس کرتی تھی۔ ان دنوں جب ہم آٹھویں کلاس میں پڑھتے تھے اسکول میں ایک مقابلہ مصوری کے لیے انویٹیشن آیا ہوا تھا' جو ایک مقامی تنظیم کروا رہی تھی۔ عنوان تھا "اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں"۔

پنسل اور مارکر سے ڈرائنگ کرنا تھی' سارا ان دنوں اسکول سے آکر سارا دن پینسل اور چارٹ لے کر بیٹھی رہتی۔ کتنے ہی چارٹ اس نے گندے کیے تھے اور پھر پھاڑ دیے تھے۔ اس روز بھی وہ ٹیبل پر سفید چارٹ پھیلائے پنسل سے ڈرائنگ کر رہی تھی۔

چاروں صوبوں کی نمائندگی کرنے کے لیے اس نے چاروں صوبوں کے مقامی ڈریس میں بچوں کی ڈرائنگ کی تو مجھے ہنسی آگئی۔ وہ بچوں سے زیادہ کارٹون لگ رہے تھے۔ کسی کی ایک آنکھ چھوٹی تھی اور دوسری بھینس جیسی' کسی کی ناک کی جگہ پکوڑا دھرا تھا۔

"کیوں ہنس رہی ہو۔" اس نے پینسل رکھ کر پوچھا۔

"یہ۔۔۔۔ یہ کارٹون بنا رہی ہو۔"

"نہیں بنائے تو بچے تھے لیکن مجھ سے انسانی فگر نہیں بنتے۔" وہ انتہائی مایوس نظر آرہی تھی۔

"میری شدید ترین خواہش تھی کہ اس مقابلے میں تصویر بھیجوں' میرے پاس بہت اچھا آئیڈیا ہے فریدہ لیکن میں اسکیچ نہیں بنا سکتی۔"

اس نے چارٹ پھاڑ کر بن میں پھینکا۔

"مثلاً کیا آئیڈیا تھا تمہارا؟"

میں نے پوچھا تو وہ جوش و خروش سے بتانے لگی کہ یوں ایک پرچم ہو۔ ادھر علاقائی لباسوں میں بچے ہوں' یہاں قائداعظم کی تصویر ہو یہ۔۔۔"

"اچھا کرسی خالی کرو۔"

میں نے اسے ہٹایا اور تصویر بنانے لگی۔ جب تصویر مکمل ہوئی تو وہ حیران رہ گئی۔

"فریدہ تم نے تو کمال کر دیا ہے' صبح ہی میڈم کو دے

دینا بھجوانے کے لیے۔ ضرور تمہیں کوئی نہ کوئی انعام ملے گا۔"

"نہیں یہ تصویر تم دے دینا میڈم کو۔"

"اچھا میں دے دوں گی، لیکن یہ تم نے کونے میں میرا نام کیوں لکھا ہے۔"

"اس لیے کہ آئیڈیا تو تمہارا تھا نا۔"

"لیکن تصویر تو تم نے بنائی ہے۔ آئیڈیے کا کیا ہے۔"

"تمہاری تو خواہش بھی تھی شدید اس مقابلے میں حصہ لینے کی، سو تم ہی بھیجو۔"

اور یہ ابتدا تھی۔ ان کامیابیوں کی جن کے پیچھے میرا ہاتھ تھا اور نام سارا کا۔

تصویر کو اول انعام ملا تھا مڈل اسکول کے بچوں میں۔ سارا بتانا چاہتی تھی مما اور پاپا کو کہ تصویر میں نے بنائی ہے اور خیال اس کا تھا لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔

سارا کو مباحثوں میں شرکت کا بہت شوق تھا لیکن مسئلہ تھا تقاریر لکھنے کا۔ پاپا بہت مصروف رہتے تھے اور ماما کہتی تھیں کہ انہیں تقاریر لکھنے کا فن نہیں آتا۔ یہ بھی ان ہی دنوں کی بات تھی سارا بہت اداس تھی کہ محض تقریر نہ لکھ سکنے کی وجہ سے وہ مقابلے میں حصہ نہیں لے سکتی۔

"میں ٹرائی کروں۔"

"ہاں ہاں فریدہ ضرور۔"

وہ خوش ہو گئی اور یوں میں نے قلم اٹھا لیا اور ہر مقابلے کے لیے میں اس کی تقاریر لکھنے لگی۔ اردو، پنجابی، انگلش اسے بولنا آتا تھا۔ وہ اسٹیج پر جاتی تو انعام لے کر ہی اترتی تھی۔ سب اس کی تعریف کرتے تھے اس کے اسٹائل کی اور اس کی لکھنے کی صلاحیت کی اور وہ یہ ساری تعریف بٹور لیتی لیکن مجھے کبھی جیلسی نہیں ہوئی۔ کبھی میں نے نہیں سوچا کہ اگر یہ تقریر میں خود کرتی تو میں بھی انعام جیت سکتی تھی کیونکہ میں جانتی تھی کہ میں جو گھر میں بھی کسی سے نہیں بول سکتی بھلا اتنے ڈھیر لوگوں کے مجمع میں کیسے بول سکتی ہوں۔ اور جب سارا کہتی۔

"فریدہ! یہ سارے انعام تمہارے ہیں، دراصل تم اتنے زبردست پوائنٹ اور دلائل دیتی ہو تا کہ سب حیران رہ جاتے ہیں۔"

تو مجھے لگتا مجھے صلہ مل گیا ہے۔ ہاں کبھی کبھی ضرور میرا دل چاہتا کہ وہ ماما، پاپا کو بتائے کہ یہ تقریر مجھے فریدہ نے لکھ کر دی ہے اور ماما پاپا مجھے بھی ستائش بھری نظروں سے دیکھیں اور میری تعریف کریں۔ لیکن یہ احساس وقتی سا ہوتا تھا، وہ دن میں پندرہ بار میری تعریف کرتی اور اعتراف کرتی تھی کہ اگر میں اسے نہ لکھ کر دیتی تو وہ اول انعام نہیں جیت سکتی تھی۔ مجھے پھر کسی اور کی تعریف کی ہوس نہیں رہتی تھی۔ یوں ہی ہم میٹرک میں آ گئے تھے۔

دسمبر کے ٹیسٹ ہوئے تو میرے نمبر سب سے زیادہ تھے اور سارا کے نمبر تو اچھے تھے لیکن جماعت میں پوزیشن نہ تھی۔ اس روز وہ سارا دن روتی رہی۔

"سارا پلیز مت رو تم۔" مجھے اس کے رونے سے تکلیف ہو رہی تھی۔

فریدہ! میری خواہش تھی شدید کہ میں اسکول میں اول آؤں بورڈ کے امتحان میں۔ لیکن اب تو یہ ناممکن ہے میری نویں پوزیشن ہے۔"

"مگر ابھی تو تین ماہ ہیں نا سارا! تم زیادہ محنت کرنا۔"

"لیکن میرے پاس وقت ہی کہاں ہے فریدہ! ابھی یہ مہینہ مباحثوں اور تقاریر میں گزر جائے گا پھر گیمز شروع ہو جائیں گے اور یونہی......

مجھے لگتا ہے فریدہ! میری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ ہاں تم ضرور ٹاپ کرو گی۔ پتا ہے مس ربانی تمہارے پیپرز کی بہت تعریف کر رہی تھیں۔"

"تو یوں کرو تم اپنے پیپرز پر میرا نام اور رول نمبر لکھ دینا، میں تمہارا لکھ دوں گی۔" میں نے خود ہی تجویز پیش کی۔

"نہیں، نہیں فریدہ! یہ کیسے ممکن ہے، کسی کو پتا چل سکتا ہے۔ پھر میں تمہارا حق کیوں لوں۔"

"کسی کو کیسے پتا چلے گا سارا۔" میں پر جوش ہو گئی۔

"میرا اور تمہارا نام تو آگے پیچھے ہی ہے تم میری جگہ بیٹھ جانا میں تمہاری جگہ۔"

سارا نے بہت انکار کیا۔ مگر میں نے ہی ضد کی تھی اور ہمارے رول نمبر آگے پیچھے ہی تھے۔ کسی کو کیا پتا چلنا تھا' یہ بات تو ہم دونوں کے درمیان ہی تھی۔ اور پھر سارا کی خواہش پوری ہو گئی تھی اس نے اسکول میں ٹاپ کیا تھا اور میری آٹھویں پوزیشن تھی لیکن مجھے اس کا دکھ نہیں تھا۔ سارا کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ وہ خوش تھی اور سب خوش تھے۔ ہاں مس ربانی کو تھوڑا افسوس ہوا تھا۔

"فریدہ میں تو توقع کر رہی تھی کہ تم اسکول میں ٹاپ کرو گی بلکہ تھوڑی سی اور محنت کرتیں تو بورڈ میں بھی پوزیشن لے سکتی تھیں۔"

پھر کالج میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا اور شاید جاری رہتا۔ شاید میں کبھی اپنے کمپلیکسز سے نہ نکل پاتی اگر مسز گیتی آرا میری زندگی میں نہ آتیں۔ ٹی وی کی طرف سے گانے کا ایک مقابلہ ہو رہا تھا حسب معمول سارا نے بھی اپنا نام لکھوایا تھا۔ وہ گا لیتی تھی لیکن گاتے گاتے کبھی اس کی لے خراب ہو جاتی' کبھی ٹیون صحیح نہیں ہوتی' ایک شعر صحیح گاتی تو دوسرے میں ٹیون خراب کر دیتی۔ میں نے میڈم سے کہا۔

"میڈم میں اسے پریکٹس کرا دوں گی۔"

"تم۔۔۔!" میڈم گیتی آرا نے حیرت سے پوچھا۔

"یس میڈم۔"

"تو پھر تم خود کیوں نہیں حصہ لیتیں۔"

"میڈم۔۔۔!" میں گھبرا گئی۔ "میں لوگوں کا سامنا نہیں کر سکتی۔"

"کیوں لوگ تمہیں کھا جائیں گے۔"

وہ مجھ سے حجت کرنے لگیں۔ سارا گیت کے چند بول سنا کر میگزین کے آفس میں چلی گئی تھی' اسے میگزین کے لیے بھی کام کرنا تھا کچھ۔

"ہاں تو سناؤ کچھ۔" میڈم نے اصرار کیا تو میں جھجکتے۔ جھجکتے ـــــ "چھاپ تلک سب چھین لی۔" سنایا۔ تو میڈم گیتی آرا نے بے اختیار تعریف کی۔

"فریدہ! تمہاری آواز بہت خوبصورت ہے اور دیکھو تمہیں ضرور اس مقابلے میں حصہ لینا ہے۔"

"لیکن میڈم میں۔۔۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا' میں تمہارا نام لکھ رہی ہوں۔"

"لیکن ابھی سارا کو مت بتائیے گا۔"

"اچھا۔۔۔" وہ مسکرائیں۔

"دیکھو فریدہ! انسان کی شخصیت صرف شکل و صورت سے نہیں تکمیل پاتی اور بہت سی چیزیں مل کر شخصیت بناتی ہیں' اخلاق' کردار' ذہانت اور تم میں کس چیز کی کمی ہے' کس بات کا کمپلیکس ہے تمہیں۔ خود کو پہچانو' سارا تمہاری بہن ہے لیکن میں محسوس کر رہی ہوں کہ تمہارے کام کا کریڈٹ وہ لے رہی ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔"

"میڈم آپ۔۔۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ مسکرائیں۔

"کل سارا نے مجھے ایک آرٹیکل دیا ہے میگزین کے لیے (وہ میگزین انچارج بھی تھیں) اس پر سارا کا نام لکھا ہے لیکن وہ تمہاری رائٹنگ ہے۔ شاید سارا کو جلدی ہوگی ورنہ وہ ہمیشہ اپنی رائٹنگ میں فیئر کرتی تھی۔"

میں نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

"بہر حال اب تمہیں اپنی صلاحیتوں کو خود آزمانا ہے۔" مسز گیتی آرا نے حتمی بات کی تھی اور وقتاً فوقتاً" وہ مجھے سمجھاتی رہتی تھیں ورنہ گھر آتے ہی میرا ارادہ بدل گیا تھا۔ پھر بھی مسز گیتی آرا کے اصرار پر میں نے امیر خسرو کا کلام تیار کر لیا تھا۔ اور یہ ان ہی کی حوصلہ افزائی تھی کہ میں نے اتنے لوگوں کے سامنے گا لیا تھا۔ وہ مسلسل مجھے حوصلہ دیتی رہی تھیں۔ سارا نے بھی چند دن کی پریکٹس سے آواز پر قابو پا لیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ انعام سارا ہی جیتے گی لیکن جب ججز نے میرا نام لیا تو میں کتنی ہی دیر ساکت سی بیٹھی رہی۔ میڈم نے ہی مجھ سے کہا۔

"فریدہ اٹھو۔۔۔! تم جیت گئی ہو۔"

اور جب میں مہمان خصوصی سے پانچ ہزار کا چیک وصول کر رہی تھی تو میری نظر سارا پر پڑی تھی' وہ ہونٹ بھینچے بیٹھی تھی۔ میری دونوں ٹیچر اور چند کلاس فیلوز جو ہمارے ساتھ آئی تھیں' تالیاں بجا رہی تھیں لیکن وہ ہاتھ گود میں دھرے بیٹھی تھی۔ کیا اسے میری کامیابی سے خوشی نہیں ہوئی' میں نے سوچا تھا۔ میں تو ہمیشہ اس کی کامیابیوں پر اس سے زیادہ خوش ہوتی ہوں' میرے دل میں جیسے کہیں ایک ننھا سا دکھ کا کانٹا چبھا تھا۔ سارا نے مجھے مبارکباد بھی نہیں دی تھی۔ الٹا ناراض ہوئی تھی کہ میں نے اسے بتایا تک نہیں کہ میں بھی مقابلے میں حصہ لے رہی ہوں۔

"یقین کرو سارا! میں خود بے یقین تھی۔ مجھے تو ڈر تھا کہ شاید عین وقت پر میں ہمت ہار بیٹھوں گی اور ہار ہی بیٹھتی اگر میڈم گیتی آرا ساتھ نہ ہوتیں۔"

لیکن میری وضاحت کے باوجود اس کا منہ پھولا ہی رہا حالانکہ اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا اور وہی کیا مما کو بھی شاید میری کامیابی سے خوشی نہیں ہوئی تھی۔ مما نے تو بس ایک حیرت بھری نظر مجھ پر ڈالی تھی اور پھر سارا کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں اور مجھے لگا تھا جیسے دکھ کا ایک اور کانٹا میرے دل کے کسی کونے میں چبھ گیا ہو۔ میں سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور رات کو ہی نیچے آئی تھی۔ پاپا نے بہت خوش دلی سے مجھے مبارکباد دی تھی اور بلال نے فوراً ہی ٹریٹ مانگ لی تھی۔

"کیا لوگے؟"

مجھے لگا تھا جیسے دکھ کے جو کانٹے میرے دل میں چبھے ہیں' ان کی چبھن کچھ کم ہوگئی ہے۔

"اب بیٹا! پانچ ہزار روپے ملے ہیں تمہیں' ٹریٹ تو ہم سب لیں گے۔"

پاپا نے بھی بلال کی تائید کی تھی۔

"اور آج ہی۔۔۔" بلال نے فوراً کہا۔

"پہلے تو ہمیں آئس کریم کھلائیں۔"

"اور اس کے بعد۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔

"پھر کل ہم کسی اچھی جگہ جائیں گے' ٹھیک ہے نا پاپا۔"

"ارے نہیں بس آئس کریم کافی ہے۔" پاپا نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

میں نے بلال کی طرف مسکرا کر دیکھا تو بلال نے بھی وکٹری کا نشان بنایا۔ میرے اندر پھول ہی پھول کھل رہے تھے۔ میں نے ایسی خوشی اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی' مجھے لگا جیسے میں ایک نارمل لڑکی ہوں بالکل سارا جیسی اور میرے اندر کیا کیا نہیں ہے۔ مما کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی اور انہوں نے بھی مسکرا کر مجھے دیکھا تھا' لیکن سارا سر جھکائے بیٹھی تھی اور ناخنوں سے ٹیبل کی سطح کھرچ رہی تھی۔ میں کھانا کھا کر کپڑے تبدیل کرنے کے لیے اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی' جب واپس آئی تو سارا اسی طرح بیٹھی تھی اور پاپا اسے سمجھا رہے تھے۔

"بری بات ہے بیٹا! فریدہ کیا سوچے گی کہ تمہیں اس کی کامیابی کی خوشی نہیں ہوئی۔ چلو فٹافٹ اٹھو اور چینج کر کے آؤ' بہن بھائیوں کی کامیابیوں پر خوش ہوتے ہیں بیٹا۔"

"لیکن پاپا میں۔۔۔" سارا پتا نہیں کیا کہنا چاہتی تھی کہ پاپا نے اسے ٹوک دیا۔

"بس ایک لفظ نہیں' شاباش اٹھو۔" انہوں نے بازو سے پکڑ کر اسے اٹھایا۔

تو میں ایک لمحہ کے لیے سیڑھیوں کی ریلنگ پر ہی ہاتھ رکھے کھڑی رہ گئی۔ سارا کے اس طرح کے رویے سے مجھے دکھ ہو رہا تھا پھر میں نے خود کو یہ کہہ کر تسلی دے لی کہ چونکہ سارا خود بھی اس مقابلے میں شریک تھی اور کوئی انعام نہیں حاصل کر سکی تھی اس لیے وہ میری کامیابی پر خوش نہیں ہو رہی لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ میری کسی بھی کامیابی پر خوش نہیں ہو سکتی کبھی بھی نہیں۔

اس چھوٹی سی کامیابی اور پاپا کی پذیرائی نے میرے اندر جو اعتماد پیدا کر دیا تھا اسے میڈم گیتی آرا نے اور مضبوط کیا۔ اس ایک ہفتے میں کتنی ہی بار انہوں نے

مجھ سے کہا۔

"فریدہ! بھئی میگزین کے لیے کچھ دو۔ کوئی مضمون، نظم، غزل کچھ بھی۔"

اور ابھی کل ہی میں نے انہیں ایک نظم اور ایک افسانہ دیا تو انہوں نے کچھ ہی دیر بعد مجھے اپنے آفس میں بلا کر میری بے حد تعریف کی اور میگزین کے انگریزی حصے کے لیے بھی کچھ لکھنے کو کہا ہے اور میں نے وعدہ کرلیا ہے کہ میں ایک شارٹ اسٹوری اور ایک پوئم دوں گی۔ سارا کا موڈ ابھی تک خراب ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کا موڈ جلد ہی ٹھیک ہوجائے گا۔ کیونکہ ابھی اسے میگزین کے لیے مجھ سے غزل بھی لینا ہے اور ہفتہ بھر بعد کالج میں اسٹوڈنٹ ڈے منایا جارہا ہے اور اسے یقیناً تقریر بھی لکھوانی ہو گی۔ وہ مجھ سے زیادہ عرصے تک خفا نہیں رہ سکتی اسی لیے مجھے اس کی خفگی کی کچھ زیادہ پروا نہیں ہے اور میں بہت مطمئن سی ہوں۔ گو مجھے اب بھی کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے کہ میں...... میں فریدہ زمان جو اتنی کم گو اور شائی سی ہوں۔ میں نے اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں گیت گایا اور گایا ہی نہیں اول انعام بھی حاصل کیا۔ ہے نا حیرت کی بات۔

مجھے سارا سے بہت محبت ہے اور یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے، ہرماں کو اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے مجھے بھی ہے۔ میں بھی اپنے بچوں کو ہرماں کی طرح تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی اور سارا کا دکھ سارا کے آنسو مجھ سے برداشت نہیں ہورہے۔ آج کتنے ہی دن ہوگئے ہیں اس نے ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا۔ دو چار نوالے لے کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اس کی آنکھیں ہروقت سوجی سوجی رہتی ہیں جیسے وہ روتی رہی ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کے لیے کیا کروں۔ کیسے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جگہ مسرتیں بھردوں۔ میری سارا کتنی ہنس مکھ اور خوش خلق تھی۔ اور پھر اس کے دم سے گھر میں کتنی رونق رہتی تھی۔ وہ ہروقت ہنستی مسکراتی رہتی تھی ادھر ادھر چہکتی پھرتی تھی۔

لیکن اب تو جیسے گھر میں خاموشیوں نے ڈیرا ڈال لیا ہے۔ احمد اور بلال بھی کراچی گئے ہوئے ہیں اور فریدہ تو ہے ہی کم گو سی۔ پہلے بھی وہ بہت کم بات کرتی تھی، اب تو جب سے سارا نے اس سے جھگڑا کیا ہے۔ وہ اپنے کمرے سے کم ہی نکلتی ہے اور میں بولائی بولائی سی سارا دن گھر میں پھرتی رہتی ہوں۔ سارا اپنے کمرے میں بند رہتی ہے۔ اور فریدہ اپنے کمرے میں۔

میں کبھی سارا کے پاس جاتی ہوں اور اس کے آنسوؤں سے بوکھلا کر فریدہ کے پاس آتی ہوں تو فریدہ میری ہربات کے جواب میں خاموش رہتی ہے۔ لیکن اس کے رخساروں پر دھنک کھیلتی ہے اور آنکھوں میں جگنو چمکتے ہیں۔ اور یہ جگنو مجھے کچھ کہنے نہیں دیتے اور وہ بات جو میں اس سے کہنا چاہتی ہوں کہہ نہیں پاتی اور یوں ہی ادھر ادھر کی باتیں کرکے اٹھ آتی ہوں۔ ایسی مشکل میں تو میں کبھی نہیں پڑی تھی احمد بھی نہیں ہیں اور سارا نے رو رو کر اپنا برا حال کرلیا ہے۔

اس سارے جھگڑے کی وجہ ثوبان علی ہے، میرے جیٹھ کا بیٹا۔ سال بھر پہلے ہی تو وہ جاب کے سلسلے میں یہاں لاہور آیا تھا اور میں نے اور احمد نے اصرار کرکے اسے اپنے ہاں ٹھہرایا تھا۔ ظاہر ہے سگے چچا کے ہوتے ہوئے اس کا کہیں اور ٹھہرنا نامناسب تھا پھر میرے سسرال والے کیا کہتے کہ میرا ظرف اتنا چھوٹا ہے کہ چند ماہ کے لیے بچے کو اپنے ہاں نہیں ٹھہرا سکی۔ ثوبان تو یوں بھی بہت بے تکلف اور خوش مزاج سا تھا جلد ہی اس نے سب سے دوستی کرلی تھی۔ احمد بھی اس کے آنے سے خاصے خوش تھے۔ انہیں ثوبان سے بہت محبت تھی، وہ ان کا سب سے بڑا بھتیجا تھا اور سب کا ہی لاڈلا تھا۔

اکثر رات کو کھانے کے بعد دونوں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے دیر تلک باتیں کرتے رہتے تھے۔ سارا اور فریدہ دونوں اب یونیورسٹی میں تھیں۔ یونیورسٹی میں آکر دونوں نے الگ الگ شعبے چنے تھے، فریدہ انگلش لٹریچر

میں ماسٹر کر رہی تھی جب کہ سارا نے فزکس کو چنا تھا' یوں دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ دونوں لیکچرار بننا چاہتی تھیں۔ فریدہ کو ادب سے خاصی دلچسپی تھی اس لیے اس نے انگلش لٹریچر چنا تھا۔

یہ شوق اسے زمان سے ورثے میں ملا تھا۔ زمان بھی ادبی ذوق رکھتا تھا۔

اس کا واحد شوق اچھی کتابیں خریدنا اور پڑھنا تھا' وہ خود بھی غزلیں نظمیں کہتا رہتا تھا گو کبھی کہیں چھپوائی نہیں تھیں۔ فریدہ کو بھی لکھنے لکھانے سے خاصی دلچسپی تھی اور وہ نہ صرف کالج میگزین میں بلکہ دوسرے پرچوں میں بھی لکھتی تھی۔ احمد نے اس کی بہت حوصلہ افزائی کی تھی۔ سارا نے بھی شروع میں لکھا لیکن پھر یونیورسٹی میں آ کر لکھنا چھوڑ دیا۔ فریدہ جو تھرڈ ایئر تک بہت دبلی پتلی اور جھینپو سی تھی اب بہت پر اعتماد ہو گئی تھی اور یہی نہیں اس کا جسم بھی بھر گیا تھا۔ اب وہ پہلے کی طرح نہیں تھی بلکہ اس کے سانولے رنگ میں بلا کی کشش تھی۔ لمبا قد تھا سیاہ بال اور سیاہ ہی آنکھیں۔ اور آنکھوں کا سحر تو جیسے کمندیں ڈالتا تھا۔

پھر بھی وہ سارا جیسی تو نہیں تھی' سارا کے سامنے تو وہ بالکل ماند پڑ جاتی تھی۔ سارا کا گلابی رنگ [illegible] لیے ہوئے براؤن آنکھیں' گلابی ہونٹ' بہت [illegible] سانچے میں ڈھلا جسم۔۔۔ پھر بھی پتا نہیں کیوں ثوبان نے سارا کے بجائے فریدہ کو پرپوز کیا۔ میں کتنی ہی دیر تک حیرانی سے اسے دیکھتی رہی اور مجھے کتنی ہی دیر تک اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔

"تم نے فریدہ کے لیے کہا ہے ثوبان!"

"جی چچی جان۔۔۔" اس کی آنکھوں میں سینکڑوں رنگ اترے ہوئے تھے۔

"میری شدید خواہش ہے' میں نے آپ سے پہلے بات کر لی ہے تاکہ آپ ذہنی طور پر تیار رہیں۔ میں اب کے کراچی جاؤں گا تو واپسی پر مما پپا کو ساتھ لے کر آؤں گا۔"

"لیکن تمہیں پتا ہے فریدہ۔۔۔"

"جانتا ہوں پتا ہے مجھے' اس سے بھلا کیا فرق پڑتا ہے۔"

"مگر شاید تمہارے چچا جان اپنی بیٹی۔۔۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی چچی جان۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "چچا ایسے نہیں ہیں۔ وہ بہت گریٹ ہیں۔"

وہ تو اپنے دل کی بات کر کے چلا گیا لیکن میں۔۔۔ مجھے سارا کے دل کا خیال چین نہیں لینے دے رہا۔

میں ماں ہوں' سارا کی آنکھوں کے رنگ پہچانتی ہوں۔ کہے بنا اس کے دل کی خبر تھی مجھے' میرا کتنا جی چاہا تھا کہ میں ثوبان سے پوچھوں۔۔۔ اس نے سارا کے لیے کیوں نہیں سوچا۔ اسے فریدہ میں کیا اچھا لگا' ایسا جو سارا میں نہیں تھا لیکن شاید یہ دل کے معاملات ہوتے ہیں ان میں جبر اور زبردستی نہیں ہوتی۔

میں نے یہی سوچ کر سارا کو بتایا تھا کہ ثوبان نے فریدہ کے ساتھ کی خواہش کی ہے اور وہ جب کراچی سے لوٹے گا تو اس کے والدین ساتھ ہوں گے۔ میں نے دانستہ اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں اس کی آنکھوں میں اس کے خوابوں کو ٹوٹتے ہوئے کرچیاں ہوتے دیکھوں۔ ابھی اسے ان خوابوں کو آنکھوں میں بسائے مدت ہی کتنی ہوئی تھی۔ مجھے نگاہیں اٹھائے بنا پتا تھا کہ اس کی آنکھیں ویران ہو رہی ہیں۔ کچھ دیر تو وہ یونہی شاکڈ سی بیٹھی رہی پھر یکدم اس نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔

"نو مما! یہ نہیں ہو سکتا' ثوبان فریدہ کو پرپوز نہیں کر سکتا۔"

"ایسا ہی ہے میری جان۔" میں نے ہولے سے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر سہلایا۔ میں اس کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔

"لیکن مما۔۔۔ ایس۔۔۔ میں اسے پسند کرتی ہوں۔"

اس کا ضبط جواب دے گیا اور وہ میری گود میں سر رکھ کر رونے لگی۔

وہ شروع سے ہی بہت با اعتماد اور بولڈ ہے اور بچپن سے لے کر اب تک اس کی ہر خواہش پوری ہوتی

ہے۔ احمد نے کبھی اس کی کوئی خواہش رد نہیں کی۔ اس لیے تو اس نے بے دھڑک اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔

"مما پلیز! آپ ثوبان سے کہیں میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ پلیز مما فار گاڈ سیک کچھ کریں۔"

"مما! وہ تو مجھ سے میرا خیال تھا۔۔۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

"او کے۔۔۔ او کے مائی ڈیر! میں بات کروں گی ثوبان سے۔"

میں نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن میں جانتی تھی ثوبان فیصلہ کر چکا ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں ارادے کی پختگی دیکھی تھی۔ بالکل اپنے چچا کی طرح۔ احمد نے بھی جب مجھ سے شادی کا فیصلہ کر لیا تو اپنے فیصلے سے ہٹے نہیں حالانکہ میں نہ صرف بیوہ بلکہ ایک بچی کی ماں بھی تھی۔ جب کہ ان کی اپنی فیملی میں کتنی ہی لڑکیاں تھیں اور ان کے والدین خواہش مند بھی تھے۔ ثوبان بھی بالکل احمد کی طرح تھا۔ اور احمد کے متعلق بھی مجھے یقین تھا کہ جب ثوبان فریدہ کے لیے دست طلب بڑھائے گا تو وہ بلا جھجک اس کے حق میں فیصلہ کریں گے۔ انہیں ثوبان سے بہت پیار تھا اور انہوں نے فریدہ سے کبھی امتیازی سلوک نہیں کیا تھا۔ ممکن ہے انہیں سارا سے فریدہ کی بہ نسبت زیادہ محبت ہو۔ جو فطری بات ہے لیکن وہ فریدہ کی حق تلفی ہرگز نہیں کریں گے۔

ہاں فریدہ۔۔۔ صرف فریدہ ایک ایسی ہستی ہے جو ثوبان کو فیصلہ بدلنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ اگر وہ سارا کے لیے۔۔۔ سارا کی خاطر قربانی دے دے تو کیا حرج ہے۔ سارا کا مزاج اور طرح کا ہے، وہ اس دکھ کو برداشت نہیں کر سکے گی جب کہ فریدہ تو بہت صابر ہے۔ بہت کم گو بھی، ممکن ہے وہ ثوبان سے محبت نہ کرتی ہو اور اسے اس سے فرق نہ پڑتا ہو کہ ثوبان کی کسی سے بھی شادی ہو۔ لیکن میں جب فریدہ کے کمرے میں گئی تو وہ فون پر ثوبان سے بات کر رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں اور چہرے پر رنگ ہی رنگ تھے۔ اس نے ریسیور رکھ کر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"بیٹھیے نا مما۔"

"فری تمہیں پتا ہے ثوبان نے تمہیں پروپوز کیا ہے اور وہ چند ہی دنوں میں اپنے والدین کو لانے والا ہے۔"

"جی۔۔۔"

فریدہ کی پلکیں بوجھل ہو گئی تھیں اور رخساروں پر سرخی اتر آئی تھی، ہونٹ نیم وا ہو گئے تھے اور میں جو اس سے کہنے آئی تھی کہ وہ سارا کے حق میں دستبردار ہو جائے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ اس سے اس کی پڑھائی کے متعلق چند باتیں کر کے آ گئی اور وہ ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ سجائے جھکی نظروں سے میری باتوں کے جواب دیتی رہی۔

پھر کتنی ہی بار میں اس کے کمرے میں گئی لیکن یہ ایک بات نہ کہہ سکی، حتیٰ کہ ایک روز سارا اور فریدہ میں لڑائی ہو گئی۔ اس روز میں نے سارا کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ثوبان کا خیال دل سے نکال دے کیونکہ ثوبان فریدہ کو پسند کرتا ہے اور وہ صرف اسی سے شادی کرے گا۔ لیکن وہ تو مجھ سے ناراض ہو گئی، خفا ہو گئی۔

"آپ دراصل خود بھی یہی چاہتی ہیں کہ فریدہ کے ساتھ ثوبان کی شادی ہو۔ ورنہ فریدہ میں کیا ہے؟ میں اس سے زیادہ خوبصورت ہوں اس سے زیادہ۔۔۔"

پھر وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی اور ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی فریدہ کو جو کچھ منہ میں آیا کہتی چلی گئی۔ اس نے اسے غاصب اور اپنی محبت پر ڈاکہ ڈالنے والی کہا۔

فریدہ اس کی کسی بات کا جواب دیے بغیر خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور سارا وہاں ہی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر رونے لگی۔

"بیٹا۔۔۔ سارا بیٹے!"

میں نے اسے گلے لگانا چاہا تو وہ میرا ہاتھ جھٹک کر

اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور تب سے اب تک میں سارا اور فریدہ کے کمروں میں چکر لگا رہی ہوں۔ سارا کے آنسو میرے دل پر گرتے ہیں اور فریدہ کی آنکھوں کے ستارے اور ہونٹوں کی مسکان میرے لب سی دیتی ہے۔ میں کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہوں اور سر جھکائے واپس آجاتی ہوں لیکن مجھے ایک روز ہمت تو کرنی ہے۔ احمد اور بلال کے کراچی سے آنے سے پہلے ہی ممکن ہے احمد کے ساتھ ہی ثوبان کے والدین بھی آجائیں تو آج ہی کیوں نہ فریدہ سے سارا کی خوشیوں کی بھیک مانگ لوں۔

دل ہی دل میں فیصلہ کر کے میں فریدہ کے کمرے کی طرف جا رہی ہوں لیکن میرے پاؤں من من کے ہو رہے ہیں اور میرے دل کی عمیق گہرائیوں میں کہیں کوئی آنسو بھی بہہ رہا ہے، چپکے چپکے لیکن میں ایک ایک کر کے میڑھیاں چڑھتی جا رہی ہوں۔

♥ ♡ ♡ ♥

آج مما نے وہ بات کہہ ہی دی جس کا مجھے انتظار تھا۔ میں جانتی تھی مما آج یا کل یا کسی بھی روز مجھ سے یہ بات ضرور کہیں گی۔ اور یہ جاننے کے باوجود میں نے یہ خواہش کی تھی کہ مما مجھ سے یہ بات کبھی نہ کہیں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ مما نے اگر مجھ سے یہ بات کی تو میرا کیا ردعمل ہوگا۔ کیا میں مما کو مایوس کروں گی یا پھر اور یہ سوچنا اور فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا، میں پہلے سے اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتی تھی کہ میں کیا کروں گی۔ لیکن میں مما کی بے چینی اور اضطراب دیکھ رہی تھی۔ وہ بار بار میرے کمرے میں آتیں اور پھر کچھ کہے بنا چلی جاتیں، میں نے سارا کے آنسو بھی دیکھے اور پھر اس کی باتیں بھی سنیں۔

اور یہ سب اس لیے تھا کہ ثوبان نے مجھ سے شادی کی خواہش کی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ ثوبان سارا کا کزن ہے۔ اس کا مجھ سے کوئی رشتہ نہیں لیکن محبت کے لیے کسی رشتے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ محبت تو کہیں بھی کسی بھی شخص سے ہو سکتی ہے۔ ثوبان کو اگر اپنی کزن کے بجائے مجھ سے محبت ہو گئی تھی تو اس میں بھلا میرا کیا قصور۔ میں نے تو کبھی ثوبان کو لبھانے اور اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ شروع شروع میں جب ثوبان یہاں آیا تھا تو میری صرف پہلے روز ہی اس سے بات ہوئی تھی جو صرف السلام علیکم پر مبنی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" اس نے سارا کے ساتھ باتیں کرتے کرتے ایک سرسری سی نظر مجھ پر ڈالی تھی۔

"یہ فریدہ ہے۔"

سارا نے میرا تعارف کروایا تب بھی اس نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ اور میں نے اسے ذرا بھی مائنڈ نہیں کیا تھا کہ ثوبان نے میری طرف توجہ نہیں کی یا مجھے اہمیت نہیں دی۔ بہر حال میرا اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہ تھا اور سارا کا تو وہ فرسٹ کزن تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ اور سارا ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ ہیں۔ وہ آفس سے آ کر اکثر سارا کے ساتھ باتیں کرتا نظر آتا تھا، یقیناً اسے سارا پسند آئی تھی اور وہ اس کی ذہانت سے متاثر بھی ہوا تھا۔

کئی بار کھانا کھاتے ہوئے اس نے سارا کی ذہانت کی تعریف کی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا وہ بے حد ذہین تھی اور خوبصورت بھی، شروع سے سارا جس طرح مجھ سے بے تکلف تھی اور ہمارے درمیان ہمیشہ جو دوستی رہی تھی وہ یونیورسٹی میں آتے آتے ختم ہو چکی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اب میں اپنی تحریریں اس کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے نام سے چھپواتی تھی۔ مباحثوں میں گو اب بھی میں کم کم حصہ لیا کرتی تھی لیکن اپنی دوسری سرگرمیوں کی وجہ سے میں یونیورسٹی میں اس سے کم پاپولر نہ تھی۔ بلکہ میری شاعری کو میرے اساتذہ بہت سراہتے تھے۔ میں اردو کے ساتھ ساتھ انگلش پوئٹری میں بھی اپنا نام بنا رہی تھی اور یہ سر ریاض کی کوشش اور ان کا خلوص تھا کہ میں نے انگلش میں جو کچھ لکھا تھا، وہ نہ صرف انہوں نے اکٹھا کر کے کتابی شکل میں چھپوانے کا انتظام کر دیا تھا بلکہ اس میں سے کچھ منتخب نظمیں کو ایک انٹرنیشنل مقابلے میں بھی بھجوا دی تھیں۔

میں نے چاہا تھا کہ میں سارا کو اس کے متعلق بتاؤں لیکن سارا بہت مصروف رہتی تھی بلکہ مجھ سے کچھ کھنچی کھنچی ۔۔۔ بجھی رہنے لگی تھی۔ اس لیے میں اس سے اپنی یہ خوشی شیئر نہ کر سکی تھی۔ اب یہ محض اتفاق تھا کہ جس روز میری کتاب چھپی اسی روز میری پوئم what is love کو پہلے انعام کا مستحق قرار دیا گیا تھا بلکہ سر ریاض اس خبر کے ساتھ خود ہمارے گھر آئے تھے اور ساتھ میں ہی وہ میری کتاب کی چند کاپیاں بھی لائے تھے۔ ہم سب شام کی چائے پی رہے تھے۔ جب سر ریاض کتابوں کے ایک بنڈل اور مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ آئے، میں انہیں دیکھ کر یکدم حیران رہ گئی تھی۔

سارا نے انہیں وش کیا تھا۔

"سر آپ! آیئے۔"

اور پھر اس نے ہی سب سے تعارف کروایا تھا۔

"یہ سر ریاض عمر ہیں ۔۔۔ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔"

پاپا نے اٹھ کر استقبال کیا۔

"بھئی پہلے تو آپ سب کو بہت مبارک ہو کہ فریدہ کی پوئم ۔۔۔ انٹرنیشنل مقابلے میں اول آئی ہے اور اسے اس نظم پر دو ہزار ڈالر کا انعام ملا ہے۔ آج دوپہر ہی یونیورسٹی میں لیٹر آیا تھا۔"

انہوں نے لیٹر نکال کر پاپا کی طرف بڑھایا۔ میں تو ابھی تک حیران سی کھڑی تھی، پہلے پاپا نے اور پھر سب نے ہی مجھے مبارکباد دی۔ ثوبان نے بھی خوش دلی سے کہا۔

"میں تو سارا سے ہی امپریس تھا لیکن یہاں تو ہمہ خانہ آفتاب است والی بات ہے۔"

"اور اب دوسری مبارک باد فریدہ کی پہلی کتاب کی اشاعت پر۔"

انہوں نے بنڈل سے خوبصورت سرورق والی کتاب نکالی جسے ثوبان نے تھام لیا۔ پاپا نے بھی ایک کتاب سر سے لے لی۔

"The Pangs of love" پاپا نے نام پڑھا۔

پاپا کی آنکھوں میں ستائش اور حیرت تھی۔

"میں نے تو بس، پوئمز ۔۔۔ لکھ کر سر کو دے دی تھیں انہوں نے کیا ہے سب کچھ۔" میں پتا نہیں کیوں گھبرا رہی تھی۔

"فریدہ نے اتنا خوبصورت لکھا کہ میری خواہش تھی کہ اس کی تحریر کو پہچان ملے۔"

وہ سب میری تحریر، میری پوئمز کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ مما سر ریاض کے لیے چائے لینے اٹھ گئی تھیں۔ سارا لب بھینچے خاموش بیٹھی تھی۔ میں نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھی۔

"سارا! تم نے اپنی کوئی پوئم کیوں نہیں بھیجی اس مقابلے میں۔"

ثوبان نے اچانک کتاب سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"وہ۔۔۔ مجھے معلوم ہی نہیں ہو سکا اس کمپیٹیشن کا۔" اس کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ میں نے محسوس کی۔

ثوبان پھر کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا اور گاہے گاہے نظر اٹھا کر اسے بھی دیکھ لیتا تھا۔

"یہ بہت خوبصورت نظم ہے۔" یکایک ثوبان نے میری طرف دیکھا۔

"Love is a pain"

انہوں نے چند لائنیں پڑھیں اور ایک بہت تیز اور گہری نظر سارا پر ڈالی۔

سارا کچھ نروس سی لگ رہی تھی۔

تب ہی مما نے اسے کچن میں بلا لیا۔

"کیا میں یہ کتاب لے سکتا ہوں فریدہ؟"

"ارے کیوں نہیں ۔۔۔" میرے بجائے سر ریاض نے جواب دیا۔

"یہ دس بارہ کتابیں میں آپ ہی لوگوں کے لیے لایا ہوں۔"

"تھینکس ۔۔۔" کہتے ہوئے ثوبان نے کتاب

بند کر کے پاس رکھ لی۔
"اسے اکیلے میں پڑھ کر انجوائے کروں گا۔"
اور آج ایک بار پھر سارا کے بجائے میری ذات موضوع تھی۔ سب میری طرف متوجہ تھے اور میں... میں اتنی خوش تھی کہ اس وقت مجھے کسی بھی طرح کا کوئی کمپلیکس محسوس نہیں ہو رہا تھا۔
"کتاب کی زبردست تقریب رونمائی ہونی چاہیے۔" پاپا خوش دلی سے کہہ رہے تھے۔
"کیوں نہیں..." سر ریاض نے بھی ان کی تائید کی تھی۔
سر ریاض کے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک میری کتاب اور میرا انعام موضوع سخن رہے تھے، جب کہ سارا پڑھائی کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔
یہ اس سے ایک روز بعد کی بات ہے میں اپنے کمرے سے باہر ٹیرس پر کرسی ڈالے پڑھ رہی تھی کہ اچانک ہی وہاں ثوبان آگیا۔ اس کے ہاتھ میں میری کتاب تھی۔
"سوری فریدہ! میں مخل تو نہیں ہوا۔"
"نہیں۔" میں نے بمشکل اپنی حیرت چھپائی اور دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا۔
"بیٹھیے پلیز۔"
"یہ کتاب..." اس نے کتاب میری طرف بڑھائی۔
"اس پر کچھ لکھ دیجیے۔"
"کیا...؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کتاب تھام لی۔
"کوئی خوبصورت سا جملہ یا پھر اپنے دستخط ہی کر دیجیے۔" وہ مسکرایا اور قلم میری طرف بڑھایا۔
تو میں نے اس کے ہاتھ سے قلم لے کر دستخط کر دیے۔
"تھینک یو..." اس نے کتاب میرے ہاتھ سے لے لی۔
"یہ کتاب میرے لیے ایک اثاثہ ہے، یہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے گی اور میں اس پر فخر کروں گا کہ اس پر مصنف کے دستخط ہیں۔"
"لیکن میں تو کوئی بڑی شاعر یا ادیب نہیں ہوں۔" میرے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی تھی۔
"بڑے شاعروں کے سروں پر سینگ نہیں ہوتے فریدہ! آپ نے بہت خوبصورت لکھا ہے۔"
"تھینک یو۔"
میں بھلا اور کیا کہتی۔ وہ کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا، میں نے محسوس کیا کہ اس نے کئی بار گہری نظروں سے مجھے دیکھا۔
"آپ اتنی سنجیدہ اور کم گو کیوں ہیں، جب کہ سارا آپ سے بالکل مختلف ہے۔"
"ہر شخص کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ مجھے تنہائی اچھی لگتی ہے اور میں اسے انجوائے کرتی ہوں۔ شاید میں سمجھتی ہوں کہ مجھے بولنا نہیں آتا۔"
"یہ کیسے ممکن ہے۔ جو اتنا اچھا لکھتا ہو، وہ اچھا بول نہ سکے۔"
اس نے بے ساختہ کہا تو میں نے یکدم سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مجھے ہی دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں اشتیاق تھا اور ایک ستائش تھی۔ میری نظریں جھک گئیں اور میں اس کی بات کا جواب بھی نہ دے سکی۔ وہ لمحہ بھر مجھے یونہی گہری نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔
"اوکے آپ تنہائی انجوائے کریں۔ میں چلتا ہوں۔"
اور پھر پتا نہیں کیوں مجھ سے پڑھا ہی نہیں گیا۔
بہت دیر تک کانوں میں ثوبان کا جملہ گھومتا رہا کہ "جو اچھا لکھتا ہے وہ اچھا بول بھی سکتا ہے۔"
دوسرے روز جب میں یونیورسٹی سے آئی تو ثوبان پھر چلا آیا۔
"سوری فریدہ! میں آپ سے آپ کی کچھ Poems پر بات کرنا چاہتا ہوں۔"
"ضرور..." میں نے کسی قدر جھجکتے ہوئے کہا۔ اندر سے میں ڈر رہی تھی کہ کہیں وہ کوئی سخت

تنقید نہ کرے لیکن اس نے تو بہت خوبصورتی سے بہت مثبت بات کی۔ سراہا بھی اور تنقید بھی کی۔ اور جس وقت وہ بہت نرم لہجے میں مجھے میری نظموں کی کمزوریاں بتا رہا تھا تو دل نے بے اختیار خواہش کی کہ کاش یہ شخص ہمیشہ میرے ساتھ ہو اور میری راہنمائی کرتا رہے۔ شاید وہ کوئی لمحہ شنید تھا کہ چند روز بعد ہی وہ مجھ سے عمر بھر کے لیے میری رفاقت مانگ رہا تھا۔

مجھے تو پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب اور کیسے وہ میرے دل میں اتر آیا تھا کب میرے دل نے اس کی چاہ کی تھی اور کب میں اس کے دل پر براجمان ہوئی تھی۔ ہمارے درمیان تو کبھی محبت یا اس موضوع پر بات نہیں ہوئی تھی ہاں شاعری کے حوالے سے یہ موضوع زیر بحث آ بھی جاتا۔ لیکن ہم اس پر بالکل دو اسٹوڈنٹس کی طرح بات کرتے تھے۔ اس نے کبھی محبت کے بلند و بانگ دعوے نہیں کیے۔ کبھی مجھ سے یہ نہیں کہا کہ فریدہ آئی لو یو (میں تمہیں چاہتا ہوں) ہاں جانے سے چند دن پہلے اس نے مجھے مجھ سے مانگ لیا۔

میں کتنی ہی دیر تک حیرت زدہ سی بیٹھی رہی۔

مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا میں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"میرا یقین کرو فریدہ! تمہاری رفاقت میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن چکی ہے میں ہمیشہ تمہارے سنگ چلنا چاہتا ہوں۔ کیا تمہیں میں اس حیثیت سے میں پسند ہوں۔"

میری پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئیں اور رخساروں پر گل لالہ کھل اٹھے اور جیسے آگ سی جل اٹھی۔ میں بھلا اتنی خوش نصیب کہاں تھی کہ ثوبان جیسا شخص میرے ساتھ کا خواہاں ہوتا میں تو بہت عام سی شکل و صورت کی لڑکی تھی۔ آئینے نے بہت بار مجھے بتایا تھا کہ میری شکل و صورت میں کچھ ایسا خاص نہیں ہے۔ میں نے کبھی ثوبان کے لیے اس طرح نہیں سوچا تھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"پلیز فریدہ! کچھ کہو۔۔۔ کوئی ایک لفظ کہ میں اس یقین کی انگلی تھام کر چچا جان کے سامنے دست طلب دراز کر سکوں۔"

"زندگی کے سفر میں آپ کے ساتھ چلتے ہوئے میں ہمیشہ فخر محسوس کروں گی۔" میں نے بمشکل پلکیں اٹھائیں۔

"لیکن میں تو بہت سی عام سی لڑکی ہوں۔ بہت معمولی سی شکل و صورت ہے میری' آپ اچھی طرح سوچ لیں کہیں بعد میں آپ کو پچھتانا نہ پڑے۔"

"آج کے بعد یہ بات پھر کبھی مت کہنا فریدہ! تم بہت خوبصورت ہو۔ جب سے میرے دل میں آئی ہو چاروں اور چراغاں ہو گیا ہے۔ چکا چوند کرنے والی روشنیوں نے میرے اندر اودھم مچا رکھا ہے۔"

اس نے ہولے سے میرے ہاتھ کو چھوا اور چلا گیا۔

ابھی میں اس کی محبت کی خوشی کو صحیح طرح سے محسوس بھی نہیں کر پائی تھی کہ سارا ایک روز مجھ سے جھگڑ پڑی اس نے مجھے غاصب' مکار اور جانے کیا کیا کہا۔

تب میں نے جانا کہ سارا ثوبان سے محبت کرتی ہے۔ اور شاید ثوبان بھی اس سے محبت کرتا تھا اور وہ واقعی چاہے جانے کے اور محبت کرنے کے قابل تھی۔ میں بھلا کیا تھی اس کے سامنے اور میرا کیا حق تھا ثوبان پر' سارا صحیح کہتی ہے کہ میرا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔ میں اس کی کیا لگتی ہوں کوئی رشتہ نہیں ہے میرا اس کے ساتھ پھر ثوبان نے ایسا کیوں کیا۔

وہ اگر سارا سے محبت کرتا تھا تو پھر اس نے میرے ساتھ کی تمنا کیوں کی۔ کیا اس نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے۔۔۔ لیکن کیوں۔۔۔؟ اسے یہ حق کس نے دیا تھا کہ وہ میرا مذاق اڑائے۔ اس رات میں بہت روئی اور پہلی بار میں نے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا کہ اس نے مجھ سے میرا باپ کیوں چھین لیا۔ پوری رات میں سو نہیں پائی تھی۔

اور صبح نماز کے بعد جب میں اپنے لیے چائے بنانے نیچے اتری تو لاؤنج میں رکھے فون کی بیل ہو رہی تھی۔ سب سو رہے تھے میں نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف ثوبان تھا۔

"مجھے پتا تھا فریدہ! تم اس وقت نیچے اپنے لیے

چائے بنانے آتی ہو اور ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر چائے پیتی ہو۔" میں حیران سی ریسیور تھامے کھڑی تھی۔

"پتا ہے فریدہ! رات مجھے نیند نہیں آئی' عجیب سی بے چینی تھی۔ بار بار تمہارا خیال آ رہا تھا' تم ٹھیک تو ہو نا۔ پاپا جاپان گئے ہوئے ہیں جیسے ہی وہ آئے' مما اور پاپا آئیں گے۔ ماما تو تمہیں دیکھنے کے لیے بے چین ہوئی جا رہی ہیں۔ بار بار پوچھتی ہیں' میری بہو کیسی ہے۔۔۔ میں کہتا ہوں میری آنکھوں میں دیکھ لیں۔"

"ثوبان۔۔۔!" میری آواز بھرا گئی۔

آنسو ایک بار پھر میری آنکھوں میں جمع ہونے لگے۔ مجھے خود پر اختیار نہ رہا اور میری ہچکیاں بندھ گئیں۔

"خدا کے لیے' خدا کے لیے فریدہ! اس طرح مت کرو' مجھے کچھ ہو جائے گا۔ میں مر جاؤں گا۔" اس نے بے چینی سے کہا۔

"تب ہی تو میں رات بھر بے چین رہا۔ یہ دل کا دل سے تعلق ہے صرف' میری جان! چپ کر جاؤ' تمہارے آنسو میرے دل پر گر رہے ہیں۔ بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے۔؟"

"ثوبان! کیا آپ نے میرے ساتھ مذاق کیا تھا۔۔۔؟ کیا آپ۔۔۔" میں نے بمشکل اپنی سسکیوں کو روکا۔

"مذاق' بخدا نہیں۔" ثوبان نے میری بات کاٹ دی۔

"فرو! تم نے یہ غلط گمان کیوں کیا؟" اس کے لہجے میں دکھ تھا۔

"Believe me" (میرا یقین کرو) فرو! میں تم سے بہت بے حساب محبت کرنے لگا ہوں اور تمہارے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"لیکن وہ سارا۔۔۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیا سارا نے تم سے کچھ کہا ہے' پلیز فرو! مجھ سے کچھ مت چھپاؤ بتاؤ کیا بات ہوئی ہے' تمہیں میری قسم۔۔۔" اور میں نے سب کچھ بتا دیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے فریدہ! تم اطمینان رکھو' میں سارا کی ذہانت سے متاثر ہوا تھا وہ اچھی ہے پیاری ہے۔ کوئی بھی شخص اسے اپنا شریک زندگی بنا سکتا ہے لیکن دل کے اپنے فیصلے ہوتے ہیں اور اس کی اپنی پسند ہوتی ہے میرے دل نے تمہیں پسند کیا ہے فریدہ! تم بے فکر ہو جاؤ اور سارا کی باتوں کا اثر دل پر مت لو' میں آؤں گا تو اسے سمجھا دوں گا۔ او کے۔ اب ذرا ہنس دو' صبح صبح پریشان کر کے رکھ دیا اور دیکھو آئندہ کبھی نہ رونا تمہارے آنسو میری فصیل دل ڈھا دیں گے۔"

ثوبان مجھے اپنانا چاہتا تھا' وہ مجھے اپنا شریک زندگی کرنا چاہتا تھا اس نے مجھ سے مذاق نہیں کیا تھا۔ یہ احساس بہت خوش کن تھا۔ میں رات جتنی مضطرب رہی تھی اب اتنی ہی مطمئن تھی۔ ثوبان نے مجھے اپنا یقین دیا تھا اپنی محبت دی تھی۔ میں جتنا بھی خوش ہوتی' جتنا بھی فخر کرتی کم تھا۔ لیکن مما کی پریشانی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ وہ بار بار میرے کمرے میں آتیں' کچھ دیر میرے پاس بیٹھتیں' ادھر ادھر کی باتیں کر کے چلی جاتیں۔ میں سمجھ رہی تھی کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہی ہیں لیکن کہہ نہیں پا رہیں وہ پہلے تو کبھی یوں میرے کمرے میں نہیں آئی تھیں۔ انہوں نے بھی پوری زندگی مجھے اس طرح توجہ نہیں دی۔ جتنی ان دنوں دے رہی تھیں' یقیناً" وہ سارا کی وجہ سے پریشان تھیں۔ سارا ابھی تو ہر وقت روئی روئی سی لگتی تھی لیکن اس میں بھلا میرا کیا قصور تھا کہ سارا نے مجھے اتنی باتیں سنا ڈالیں اور وہ ساری قربانیاں جو بچپن سے میں اس کے لیے دیتی آئی تھی بھول گئی۔

میں نے ہمیشہ کوشش کی کہ اس کی خواہشیں اور آرزوئیں پوری ہو جائیں لیکن وہ۔۔۔ وہ صرف اتنی سی بات پر اتنی خفا ہو گئی ہے کہ اس نے مجھے غاصب تک کہہ دیا اور یہ تک کہ چونکہ میں اس کی سوتیلی بہن ہوں اس لیے میں نے اس کا محبوب اس سے چھین لیا۔ اگر سگی بہن ہوتی تو کبھی ایسا نہ کرتی لیکن میں نے تو کبھی ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ سارا میری سگی بہن نہیں ہے۔ ہم دونوں نے تو ایک ہی ماں کی کوکھ سے جنم لیا ہے' ہماری خوشیاں

اور ہمارے درد تو سانجھے ہیں۔ لیکن پتا نہیں کیوں اس نے ایسا کہا۔

میں نے سوچا تھا کہ میں اس کے پاس جاؤں' اسے بتاؤں کہ میں نے ثوبان کو اس سے نہیں چھینا بلکہ ثوبان نے خود میرے ساتھ کی خواہش کی ہے۔ لیکن مجھے اس کے اجنبی رویے کی وجہ سے ہمت ہی نہیں پڑی اور یوں بھی مجھے اپنے کمرے میں ثوبان کو سوچنا اچھا لگتا تھا۔ مما جانے کیا بات کہنا چاہتی تھیں' میں سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ شاید وہ چاہتی ہیں کہ میں سارا کو سمجھاؤں یا پھر یہ کہ اس جھگڑے کے بعد جو سارا نے مجھ سے کہا ہے میں اس سے سوری کرلوں۔

لیکن یہ اتنی بڑی بات تو نہیں ہے جس کے لیے مما کو اتنا سوچنا پڑے اور جسے کہتے ہوئے وہ جھجکیں۔ پھر یکایک میرے اندر ایک آگہی کا در سا وا ہوا تھا۔ کیا مما مجھ سے یہ کہنا چاہتی ہیں کہ میں سارا کے حق میں دستبردار ہو جاؤں' میں ثوبان کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کردوں۔"

اور مما کی آنکھوں کی التجا نے جیسے اس خیال پر مہر ثبت کردی تھی۔ اور میرے اندر کی روشنیوں پر جیسے غبار سا چھا گیا تھا۔ میں نے خود کو یقین دلانے کی بڑی کوشش کی تھی۔ نہیں' مما مجھ سے ایسی بات نہیں کہہ سکتیں' آخر میں اور سارا' ہم دونوں مما کے لیے ایک جیسے ہیں پھر بھلا مما یہ کیسے چاہ سکتی ہیں کہ وہ ثوبان کو مجھ سے چھین کر سارا کے حوالے کردیں۔ لیکن میرا یقین بار بار متزلزل ہو جاتا جب مما کچھ کہتے کہتے رک جاتیں اور ان کی آنکھیں مجھے التجا کرتی محسوس ہوتیں۔ اور میں بے اختیار دعا کرتی کہ مما مجھ سے یہ بات کبھی نہ کہیں۔

میں شاید اس آزمائش میں پوری نہ اتر سکوں گی۔ صرف دو تین ماہ میں اس شخص کی محبت میرے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ وہ مجھے اتنا عزیز ہو گیا تھا کہ اس سے جدائی کے تصور سے دل ڈوبنے لگتا۔ میں نے بارہا خواہش کی تھی کہ ایسا نہ ہو لیکن ساری خواہشیں کب پوری ہوتی ہیں۔ آج... آج بالآخر مما نے مجھ سے کہہ ہی دیا۔

"فرو...!" انہوں نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ اس طرح اتنے پیار سے پوری زندگی میں انہوں نے مجھے دو تین بار ہی پکارا ہوگا۔

"جی مما...!" میں نے بستر پر بکھری ہوئی کتابیں سمیٹ کر ان کے لیے جگہ بنائی۔

"فرو! وہ رو رو کر مر جائے گی۔"

"کون...؟" میں بے دھیان سی بیٹھی سوچ رہی تھی کہ مما بھلا کیا بات کہنے والی ہیں سو چونک کر انہیں دیکھا

"سارا... سارا... فرو! وہ ثوبان سے محبت کرتی ہے۔ وہ..."

"تو آپ کیا چاہتی ہیں کہ میں ثوبان کے ساتھ شادی سے انکار کردوں اور آپ سارا کی شادی ثوبان سے کردیں۔"

میں نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔ اور میرا لہجہ بالکل سپاٹ تھا حالانکہ میرے دل میں طوفان مچل رہے تھے۔

"لیکن فرض کریں میرے انکار کے بعد بھی ثوبان سارا سے شادی نہ کرے تو پھر..." وہ لمحہ بھر کو چپ ہوگئیں۔ پھر بہت یقین سے بولیں۔

"نہیں ثوبان ایسا نہیں کرسکتا' احمد اسے منالیں گے۔"

"تو پھر آپ میرے کندھے پر رکھ کر بندوق کیوں چلانا چاہتی ہیں' پاپا سے کہیں وہ انہیں منالیں گے۔"

"فریدہ...!" مما نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔

"تم اگر ثوبان سے کہہ دو کہ تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ سارا تمہاری بہن ہے' تم اس کی خاطر یہ قربانی نہیں دے سکتیں۔ فرو! سوچو وہ اس سے محبت کرتی ہے۔"

"میں بھی آپ کی بیٹی ہوں مما! آپ کو سارا کی آنکھوں میں ثوبان کی محبت نظر آگئی ہے لیکن میرے دل میں بھی تو جھانک کر دیکھیں۔ وہاں بھی تو آپ کو ثوبان نظر آئے گا۔"

میں نے شکوہ بھری نظروں سے انہیں دیکھا‘ مما نے نگاہیں چرا لیں۔ وہ میری آنکھوں کی تحریر کو پڑھنا ہی نہیں چاہ رہی تھیں یا وہ پہلے ہی سے جانتی تھیں کہ میرا دل کس کے نام پر دھڑک رہا ہے۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر مجھے نہیں دیکھا۔ یونہی سر جھکائے دھیرے دھیرے بولتی رہیں۔

”احمد کے کتنے احسان ہیں تم پر فریدہ! انہوں نے کبھی تم میں اور سارا میں فرق نہیں کیا۔ کبھی تمہارے حوالے سے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ حالانکہ اگر وہ تمہیں رکھنے سے انکار کر دیتے تو بھلا میں کیا کر سکتی تھی۔“

یہ میں جانتی تھی‘ میرے دل میں پاپا کے لیے بہت احترام تھا‘ بہت عزت تھی۔ انہوں نے ہمیشہ میری خوشیوں کو شیئر کیا تھا۔ جب کہ مما نے ایسا کبھی نہیں کیا تھا۔ اگر وہ مجھ سے کہتے کہ فریدہ اپنی جان اپنے ہاتھوں سے ختم کر دو تو میں ایک لمحہ سوچے بغیر اپنا سر کاٹ کر ان کے قدموں میں رکھ دیتی۔ لیکن مجھے یہ بھی پتا تھا کہ وہ ناانصافی کبھی نہیں کریں گے۔ وہ ثوبان کی خواہش کو ٹھکرا نہیں سکتے۔

”دیکھو۔“ مما نے میرے ہاتھوں کو چھوا۔

”میں۔۔۔ تم سے سارا کی محبت کی بھیک مانگتی ہوں‘ تم اسے یہ خوشی دے دو فرو‘ ثوبان سے کہہ دو کہ تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔“

مجھے لگا جیسے ایک لمحے کو میرا دل ساکت ہو گیا ہو۔ میں ایک ٹک انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ میں نے آہستگی سے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھ سے ہٹا دیے۔ میرا دل جیسے پگھل پگھل کر پانی ہوا تھا۔ مجھے اپنا وجود یکدم بے معنی لگا‘ بے وقعت سا۔ مما کے نزدیک میں کچھ بھی نہ تھی۔ میری کوئی اہمیت نہ تھی شاید اس لیے کہ میرا باپ زندہ نہیں تھا اور سارا کے پاپا تھے۔ میں نے نگاہیں جھکا لیں۔

”فرو۔۔۔!“ مما نے بہت دکھ اور بے بسی سے مجھے پکارا تھا۔

اور میں جو سوچتی تھی کہ اگر مما نے مجھ سے ایسا کچھ کہا تو میں کیا کہوں گی۔ شاید کچھ بھی نہیں‘ شاید انکار کر دوں۔ میں بھلا کیوں قربانی دوں‘ وہ خوشی جس نے خود میرے دروازے پر دستک دی ہے اسے کیوں لوٹاؤں‘ لیکن میں انکار نہیں کر سکی۔ مجھ سے مما کی تڑپ اور بے بسی دیکھی نہیں گئی۔ میں نے مما کی طرف دیکھا۔

”او کے مما! میں ثوبان سے کہہ دوں گی کہ میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔“

مما نے یکدم مجھے گلے سے لگا لیا لیکن میں نے آہستہ سے خود کو الگ کر لیا۔

”مجھے پڑھنا ہے مما۔۔۔!“ اور مما کچھ شرمندہ سی سر جھکائے باہر چلی گئیں۔ تب سے میں ایک ہی بات سوچے جا رہی ہوں کہ ثوبان کا ردعمل کیا ہو گا اور۔۔۔ اور کیا مما نے زندگی بھر صرف سارا سے محبت کی‘ مجھ سے نہیں۔۔۔ اور کیا میری نارسائی پر مما کا دل نہیں دکھے گا؟ کیا وہ کبھی اپنے اس عمل سے مطمئن ہو سکیں گی۔ اور میں‘ کیا میں ثوبان کے بغیر خوش رہ سکوں گی؟ میرا دل کٹ کٹ کر گر رہا ہے‘ لیکن بہرحال مجھے ثوبان سے یہ سب کہنا تو ہے چاہے کچھ بھی ہو۔

چاہے زندگی ختم ہو جائے۔

اس کا آخری ستارہ بھی ٹمٹما کے بجھ جائے۔

♥ ♡ ♡ ♥
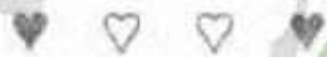
فریدہ زمان کو جب میں نے پہلی بار دیکھا تو بہت سرسری نظر ڈالی تھی۔ وہ ایک عام سی دبلی پتلی لڑکی تھی۔ اس کا رنگ سانولا اور قد لانبا اور آنکھیں خوبصورت تھیں۔ میں نے دل ہی دل میں اس کے لانبے قد اور آنکھوں کو سراہا تھا اور سوچا تھا کہ خدا اپنے ہر بندے کو کوئی نہ کوئی حسن اور خوبصورتی ضرور دیتا ہے اور میری تو شروع سے عادت رہی ہے کہ میں بدصورت سے بدصورت شخص میں بھی کوئی نہ کوئی حسن اور خوبصورتی تلاش کر لیتا ہوں۔ اس کے لانبے قد اور آنکھوں کی مقناطیسی چمک کو دل ہی دل میں سراہنے کے باوجود میں نے ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی تھی۔ میری ساری توجہ سارا کی طرف تھی جو میرے چاچو کی بیٹی تھی۔ بہت خوبصورت‘ بہت

حسن اور ذہانت اکٹھے ہوجائیں تو غضب ڈھاتے ہیں۔ سارا نے بھی میرے دل پر غضب ڈھایا۔

گو میں نے اس سے اعتراف محبت تو نہیں کیا تھا لیکن اندر ہی اندر میں اس سے بہت متاثر تھا۔ ہم گھنٹوں باتیں کرتے تھے اور میں کبھی بھی اس کی باتوں سے نہیں اکتایا تھا۔ اسے بات کرنے کا ہنر آتا تھا اور وہ ہر موضوع کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمیٹتی تھی۔ مجھے اس کی نالج پر حیرت ہوتی تھی اور اس روز تو میں واقعی حیرت زدہ رہ گیا جب اس نے مجھے اپنی اردو اور انگلش پوئٹری دکھائی۔ میں نے اس کی شاعری کو اتنی بار پڑھا کہ وہ مجھے ازبر ہوگئی۔ مجھے خود شاعری سے بہت دلچسپی ہے بلکہ ادبی ذوق مجھے اپنے پاپا سے ورثے میں ملا ہے۔ کسی زمانے میں میں نے ہر وہ کتاب جو میری دسترس میں آسکی پڑھ ڈالی تھی۔ پھر جاب کی مصروفیت میں کچھ عرصہ کے لیے میں ادب سے دور ہوگیا تھا کالج لائف میں میں نے بھی بہت کچھ لکھا تھا۔

"سارا! تم کیا چیز ہو یار۔۔۔ مقرر' کھلاڑی' رائٹر۔"

اور وہ مسکرا دی تھی۔ تب اس کی وہ دھیمی سی مسکراہٹ میرے دل میں اتر گئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ اگر زندگی کے سفر میں سارا جیسی لڑکی کا ساتھ ہوجائے تو زندگی بہت خوش کن ہوگی، لیکن پھر اچانک ہی میرے تصور کے شیش محل کی دیواریں تڑخ گئیں' سب کچھ لمحوں میں بدل گیا۔

اس روز ہم سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ اچانک ہی فریدہ کے ایک پروفیسر آگئے۔ وہ نہ صرف اس کی نظم اول آنے کی خوشخبری لائے تھے بلکہ اس کی کتاب بھی تھی۔ نظم کے نام نے مجھے چونکا دیا تھا۔ لیکن پھر میں نے سوچا ممکن ہے دونوں نے ایک ہی موضوع پر نظم لکھی ہو۔ شاید کسی مقابلے کے لیے۔ کیونکہ سارا نے چند دن پہلے ہی مجھے اس عنوان پر نظم سنائی تھی لیکن جب میں نے کتاب کھولی تو مجھے کئی نظمیں ایسی نظر آئیں جو مجھے سارا اپنے نام سے سنا چکی تھی۔ میرے دل کو انجانے سے دکھ نے

گھیر لیا۔ آخر سارا نے اس طرح کیوں کیا؟ وہ اگر ایسا نہ کرتی تو بھی مجھے اتنی ہی عزیز ہوتی۔ میں نے اس کی شاعری کو سراہا ضرور تھا لیکن وہ مقام جو میں اپنے دل میں اسے دے چکا تھا اس کی شاعری نے اس میں اضافہ نہیں کیا تھا۔ میں اس کی شاعری سننے سے پہلے ہی اسے زندگی کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میں نے بہت غور سے اسے دیکھا۔ وہ نگاہیں جھکائے گھبرائی گھبرائی سی بیٹھی تھی۔

میں لاؤنج سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا اور فریدہ کی کتاب پڑھ کر حیران ہوتا رہا کہ وہ اتنی کم گو سی لڑکی اتنے خوبصورت لفظ لکھتی ہے۔ اتنے نازک احساسات ہیں اس کے۔ میں نے اس سلسلے میں سارہ سے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ نہ پوچھا تھا کہ اس نے فریدہ کی شاعری اپنے نام سے مجھے کیوں سنائی۔ لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ شرمندہ ہے اور مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن میں نے اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ پتا نہیں کیوں میں یکدم ہی بیزار سا ہو گیا تھا' اس کے اس جھوٹ نے اس کی ساری خوبصورتیوں اور ذہانت کو بے رنگ کر دیا تھا۔

مجھے فیصلہ بدلنے میں ایک لمحہ کی دیر بھی نہیں لگی۔ میں کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا تھا جو اتنی دیدہ دلیری سے جھوٹ بول سکتی۔ کیا خبر شادی کے بعد وہ کب کب اور کہاں کہاں مجھے دھوکا دے' لیکن میں نے فریدہ سے بھی شادی کے متعلق ہرگز نہیں سوچا تھا۔ میں تو صرف اسے سراہنا چاہتا تھا۔

لیکن جب میں نے اسے قریب سے دیکھا تو شام کے وقت ٹیرس پر بیٹھی وہ بہت انہماک سے پڑھ رہی تھی۔ اس کے بالوں کی ایک لٹ چٹیا سے نکل کر رخساروں کو چوم رہی تھی اور ڈوبتے سورج کی سرخی نے جیسے اس کے رخساروں کو دہکا رکھا تھا اس کے سانولے رنگ میں بلا کی ملاحت تھی اس نے آنکھیں اٹھائیں تو مجھے یکدم یوں لگا جیسے میں ان کے سحر میں جکڑا سا گیا ہوں۔ ان کی مقناطیسی چمک جیسے مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھی پھر بھی مجھے یکدم اس سے محبت نہیں ہو گئی' بلکہ ہولے ہولے وہ میرے اندر اترتی چلی گئی اور میرے دل میں براجمان ہو گئی۔

مجھے تو پتا ہی نہیں چلا کب کیسے اس نے میرے دل و جان پر قبضہ کر لیا تھا اور میں نے بخوشی اپنے دل کی حکمرانی اسے سونپ دی۔ سارا بلاشبہ خوبصورت بھی تھی اور ذہین بھی لیکن دل نے پوری شدتوں کے ساتھ جس کے ساتھ کی تمنا کی وہ فریدہ تھی۔ میں نے سارا کو شریک زندگی کرنے کے متعلق سوچا ضرور تھا۔ لیکن میرے دل میں اس کے لیے اتنی شدتیں نہیں تھیں۔ اور اب تو اس کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ بس وہ میری کزن تھی۔ میں نے اسے کچھ بھی جتایا نہیں تھا اور پہلے کی طرح ہی اس سے بات ہوتی رہتی تھی۔

لیکن فریدہ تو میری زندگی کی خواہش بن چکی تھی۔ اور میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کر دیا اور فریدہ کے چہرے پر پھیلتے رنگوں اور آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں نے مجھے بتا دیا تھا کہ میں بھی فریدہ کے دل میں موجود ہوں۔ میں کس قدر خوش تھا اور خود کو کتنا خوش نصیب سمجھ رہا تھا کہ میرے مما پپا کسی نے میری پسند پر اعتراض نہیں کیا تھا' لیکن فریدہ۔۔۔ فریدہ نے مجھے پذیرائی بخش کر یکدم انکار کر دیا۔ مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

"آپ سارا سے شادی کر لیں' وہ آپ سے محبت کرتی ہے۔"

"لیکن میں اس سے محبت نہیں کرتا فریدہ۔"

"میری خاطر پلیز۔"

اس نے یکدم فون رکھ دیا۔ شاید تاب ضبط نہ رہی ہو گی مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ سارا کے لیے قربانی دے رہی ہے لیکن میں ایسی جذباتیت کا قائل نہیں ہوں' میں وقتی طور پر جذباتی ہو کر اگر سارا سے شادی کر بھی لیتا فریدہ کی خاطر' تو دل سے اسے زندگی بھر قبول نہ کر سکتا۔ مجھے اس کی کسی بات پر اعتبار نہ آتا۔ حتیٰ کہ اس کی محبت پر بھی نہیں' نتیجتاً اس کی زندگی تلخ ہو جاتی اور میری بھی۔۔۔۔۔

میں نے فریدہ سے کچھ نہیں کہا لیکن میں نے یہ

ساری بات سارا سے کہہ دی۔

"محبت میں جبر کبھی نہیں ہوتا سارا! یہ دل کے معاملات ہیں اور دل مطلق العنان بادشاہ ہے۔ مجھے تمہاری خوبصورتی اور ذہانت کا اعتراف ہے، لیکن محبت ایک بالکل مختلف جذبہ ہے۔ دل کہیں کسی بھی جگہ ٹھہر سکتا ہے۔"

"لیکن ثوبان! فریدہ میں ایسا کیا ہے، کیا اس لیے کہ وہ خوبصورت شعر کہتی ہے۔"

"نہیں صرف یہ بات نہیں ہے سارا۔" میں نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

"کچھ اور بھی ہے، جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ میں سطحی آدمی نہیں ہوں۔ ظاہری خوبصورتی کبھی میرا معیار نہیں رہی۔"

"تم اس لیے مجھ سے متنفر ہوگئے ہو ثوبان کہ میں نے اس کی نظمیں اور شاعری اپنے نام سے تمہیں سنائی۔ میں تم سے محبت کرنے لگی تھی اور یہ سب میں نے تمہاری محبت جیتنے کے لیے ہی کیا تھا۔"

"اور اسی وجہ سے تم ہار گئیں سارا۔" میں نے سوچا اور کہا۔

"جس رشتے کی بنیاد جھوٹ پر رکھی جائے، وہ کبھی پائیدار نہیں ہوتا سارا۔ فریدہ نے تمہاری خاطر مجھ سے شادی کرنے سے انکار کردیا ہے۔ لیکن اس کی قربانی سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ میں تم سے پھر بھی شادی نہیں کرسکتا۔ مجھے تم پر کبھی اعتبار نہیں ہوسکتا۔ میں تمہاری ہربات، ہرعمل پر سوچوں گا کہ کہیں یہ جھوٹ تو نہیں۔ تم ذہین ہو، خوبصورت ہو، کسی بھی شخص کے ساتھ تم بہترین زندگی گزار سکتی ہو۔ فریدہ نے ہمیشہ خود کو تمہاری خاطر پیچھے کیا، تمہارے لیے قربانیاں دیں۔ یہ سب مجھے فریدہ نے نہیں بتایا۔ تمہاری ڈائری سے پتا چلا جو ایک روز تم یونہی ٹیبل پر چھوڑ گئی تھیں۔ میں فریدہ کی عظمت کا معترف ہوں کہ اس نے مجھے نہیں بتایا کہ اس نے کبھی تمہارے ساتھ کیا کیا تھا بلکہ تمہاری محبت جان کر وہ پیچھے ہٹ گئی۔ حالانکہ وہ بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتی ہے جتنی میں۔ سارا! تم آج فریدہ کے عمر بھر کے احسانوں کا بدلہ چکا سکتی ہو۔ تمہیں مجھ سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا تو اسے حاصل کرنے دو۔"

مجھے سارا کی ذہانت پر کبھی شبہ نہیں رہا اور اب بھی جب اس نے جذبات سے ہٹ کر سارے معاملے پر غور کیا تو خاموشی سے فریدہ کے حق میں دستبردار ہوگئی۔

مما اور پپا لاہور جانے کی تیاریاں کررہے ہیں لیکن میں نے فریدہ کو یہ بات نہیں بتائی بس ذرا اسے تنگ کرنے کو جی چاہ رہا ہے اور میں نے تو سارا کو بھی نہیں بتایا کہ مما ایک نہیں دو انگوٹھیاں لارہی ہیں، انہوں نے سارا کو بھی مانگنے کا سوچ لیا ہے۔ ڈاکٹر فرحان میرے بہت پیارے بھائی کے لیے جو مجھ سے صرف ایک سال چھوٹا ہے۔ آخر میں نے سارا کی اتنی تعریفیں جو کی ہیں اور فرحان تو بن دیکھے ہی اس پر عاشق ہوچکا ہے۔ اس نے بھی میری طرح بچپن میں ہی اسے دیکھا تھا، وہ بار بار مجھ سے سارا کے متعلق پوچھتا ہے اور میں اس کی آتش شوق بڑھا دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے سارا فرحان کے ساتھ بہت خوش رہے گی۔ فرحان کسی کو اداس رہنے ہی نہیں دیتا۔ آخر مجھے سارا کا شکریہ بھی ادا کرنا تھا اور یقیناً "اسے میرے شکریے کا یہ انداز پسند آئے گا۔

اور فریدہ۔ میں تصور میں اس کی گیلی آنکھوں کے آسمان پر دھنک پھیلتے دیکھ رہا ہوں اور اس کے سانولے رخساروں پر لالے کے پھول کھلتے لیکن پہلے میں اسے خوب تنگ کروں گا۔ آخر اس نے یہ سوچا ہی کیوں کہ میں اس کے اور وہ میرے بغیر زندگی گزار سکتی ہے۔ ٹھیک ہے نا۔ مجھے اس کو تھوڑا تنگ کرنے کا حق تو ہے نا۔ آخر کیوں۔۔۔ کیوں اس نے سوچا ایسا۔